

جو شخص میری امت کے لئے اُمور دین سے متعلق چالیس احادیث یاد کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں اُٹھائے گا۔
(الدارقطنی فی العلل، رقم الحدیث: 959).

تجارت و معیشت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث مبارکہ کا مجموعہ

اربعین تجارت و معیشت



مؤلف:
مفتی سید صابر حسین

آزاد اذات:
مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمن

شعبہ نشر و اشاعت: اطمینان شرعیہ اکیڈمی، کراچی۔

جو شخص میری امت کے لئے امور دین سے متعلق چالیس احادیث یاد کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں اُٹھائے گا۔
(الدارقطنی فی العلل، رقم الحدیث: 959).

تجارت و معیشت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث مبارکہ کا مجموعہ

اربعین تجارت و معیشت

مؤلف: مفتی سید صابر حسین
 از افادات: مفتی اعظم پاکستان
 پروفیسر مفتی منیب الرحمن

شعبہ نشر و اشاعت: المُنِيبُ شَرِيعَةُ اَكِيْڈَمِي، كَراچِي.

عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَبِي حَفْصِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ:
 سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا
 لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ
 وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يُنْكَحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا
 هَاجَرَ إِلَيْهِ

امیر المؤمنین ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ہی بدلہ ملے گا۔ چنانچہ جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کی رضا) کے لئے ہو، تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہو، تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہے، جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان والاندور، باب البیۃ فی الایمان، رقم الحدیث: 6689)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ مَنْ حَفِظَ عَلَيَّ أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا مِنْ أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقِيهَا عَالِمًا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری امت کے لئے امور دین سے متعلق چالیس احادیث یاد کرے، تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں اٹھائے گا، (الدارقطنی فی العلل، رقم الحدیث: 959)۔

قَالَ عَنْ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اللَّهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ خُلَفَاءُكَ؟ قَالَ: الَّذِينَ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدِي وَيُرْوُونَ أَحَادِيثِي وَسُنَّتِي وَيُعَلِّمُونَهَا النَّاسَ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور تین مرتبہ یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے خلفاء وہ لوگ ہیں، جو میرے بعد آئیں گے، میری حدیثوں اور میری سنتوں کو روایت کریں گے اور لوگوں کو سکھائیں گے، (جامع الاحادیث، باب مسند علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحدیث: 33253)۔

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
8	انتساب!	
9	اظہار خیال	
10	حدیث دل	
13	کسب حلال کی فضیلت	حدیث نمبر 1
17	حلال و حرام کی تمیز سے لاپرواہی کا زمانہ	حدیث نمبر 2
21	سچے اور امانت دار تاجر کا مقام و مرتبہ	حدیث نمبر 3
24	تجارت میں کثرت سے قسم اٹھانے کے نقصانات	حدیث نمبر 4
27	خرید و فروخت میں نرمی کا حکم	حدیث نمبر 5
31	ناپ تول میں کمی پر وعید	حدیث نمبر 6
35	ذخیرہ اندوزی کی مذمت	حدیث نمبر 7
39	بازار کی آزادی میں مداخلت کی ممانعت	حدیث نمبر 8
43	رشوت کی مذمت	حدیث نمبر 9
49	سود کی حرمت	حدیث نمبر 10
51	وسعت ہونے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول	حدیث نمبر 11
55	اسلام میں بازار کی مشروعیت	حدیث نمبر 12
59	مارکیٹنگ اور دین کی تعلیمات	حدیث نمبر 13
63	سودے پر سودے کرنے اور بخش (دھوکہ) کی ممانعت	حدیث نمبر 14
69	غیب ظاہر کئے بغیر فروخت کرنے والے کی مذمت و سزا	حدیث نمبر 15

74	غیر موجود چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت	حدیث نمبر 16
78	حرام اشیاء کی خرید و فروخت	حدیث نمبر 17
80	بیع سلم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات	حدیث نمبر 18
85	استصناع کے ذریعے خرید و فروخت	حدیث نمبر 19
90	نیلام کے ذریعے خرید و فروخت	حدیث نمبر 20
93	عقبہ گری یا جسم فروشی کی ممانعت	حدیث نمبر 21
98	چوری شدہ مال کی خرید و فروخت	حدیث نمبر 22
100	سونا چاندی، کرنسی اور ہم جنس اشیاء کی خرید و فروخت	حدیث نمبر 23
104	جوئے کا کاروبار	حدیث نمبر 24
109	لین دین میں رہن رکھنے کا تصور	حدیث نمبر 25
112	تجارت میں وکالت	حدیث نمبر 26
117	کفالت یعنی لین دین میں کسی کی ذمہ داری لینا	حدیث نمبر 27
120	حوالہ یعنی اپنا قرض کسی دوسرے کے سپرد کرنا	حدیث نمبر 28
122	تجارت میں اقالہ (سودا منسوخ کرنے) کی شرعی حیثیت	حدیث نمبر 29
125	عاریت کے احکام	حدیث نمبر 30
127	مزدور کی اجرت فوراً ادا کرنے کا حکم	حدیث نمبر 31
132	کارخانہ دار یا مالکوں کے حقوق	حدیث نمبر 32
136	شراکت داری کی اہمیت	حدیث نمبر 33
141	مضاربت کے کاروبار میں برکت ہے۔	حدیث نمبر 34

144	مزارعت (زمین بنائی پر دینا)	حدیث نمبر 35
148	کھیتی باڑی کی فضیلت	حدیث نمبر 36
151	ناحق کسی کی زمین پر قبضہ کرنے پر وعید	حدیث نمبر 37
155	مال تجارت پر زکوٰۃ	حدیث نمبر 38
158	زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ (عشر)	حدیث نمبر 39
162	گداگری اور اسلامی تعلیمات	حدیث نمبر 40

ملنے کے پتے:

مکتبہ غوثیہ، دارالعلوم غوثیہ پرانی سبزی منڈی، کراچی 021-34910584

مکتبہ البرکات، بہار شریعت مسجد، بہادر آباد، کراچی 0213-4219324

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی 0300-2180093

مکتبہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، نزد فیضانِ مدینہ مسجد، سیکٹر 2-B-5، نارٹھ

کراچی، 0313-2800520

﴿جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں﴾

کتاب: اربعین تجارت و معیشت
 از افادات: پروفیسر مفتی نبیب الرحمن
 مولف: مفتی سید صابر حسین 0321-2880864

سن اشاعت: 2013ء

تعداد اشاعت: ایک ہزار (۱۰۰۰)

صفحات: 176

قیمت: 250

طباعت: آئی، ایس پرنٹنگ سروسز، کراچی

0333-3252438

☆ انتساب ☆

میں اپنی اس علمی و تحریری کاوش کو اپنے پیر و مرشد حضور تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان صاحب قادری بریلوی الازہری دامت برکاتہم العالیہ کے نام منسوب کرتا ہوں، جن کے دریائے فیض سے مجھ ناچیز سمیت ایک دنیا سیراب ہو رہی ہے۔

الْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ

سید صابر حسین

اظہار خیال!

مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمن

دین سے متعلق چالیس احادیث مبارکہ یاد کرنے والے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ اُسے قیامت کے دن علماء و فقہاء کی جماعت میں اٹھایا جائے گا۔ اس بشارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق بننے کے لئے ہر دور میں بہت سے صلحاء اُمت نے ”چہل احادیث“ کے نام سے کتابچے و رسائل مرتب کئے ہیں۔ عام طور پر یہ رسائل فضائل پر مشتمل ہوتے ہیں، لیکن مفتی سید صابر حسین نے معاملات کے شعبے کو چٹا اور مالی معاملات، بیع و شراء اور حقوق العباد سے متعلق احادیث کریمہ جمع کر کے اہل تجارت و معیشت کو اُن کی شرعی، قانونی اور اخلاقی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔ ان احادیث میں حقوق اللہ بھی ہے اور حقوق العباد بھی۔ لہذا اگر اہل علم اور اہل تجارت پابندی شریعت ہو جائیں تو اس کے مثبت اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہ بلاشبہ خدمت حدیث، سعادتِ حفظِ حدیث اور لوگوں کے مالی معاملات میں اصلاح کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ عام طور پر فضائل کی احادیث کو سن کر اور پڑھ کر ہم رُوحانی حظ (spiritual Satisfaction) حاصل کرتے ہیں، لیکن دینی و روحانی ارتقاء کے لئے عملی اصلاح بھی ضروری ہے اور اسی سے معاشرے میں برکتوں کا ظہور ہوتا ہے، ایک دوسرے کے لئے احترام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کا احساس ہوتا ہے۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سعی جمیل کو اپنی بارگاہ میں مشکور و ماجور فرمائے اور اہل تجارت و معیشت کو اس سے استفادہ کی سعادت عطا فرمائے۔

الْعَبْدُ الضَّعِيفُ

منیب الرحمن

حدیثِ دل!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَةِ الْعٰلَمِیْنَ، وَعَلٰی
اَللهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلٰی صَحَابَتِهِ الصِّدِّیْقِیْنَ الْكٰمِلِیْنَ وَعَلٰی كُلِّ مَنْ

تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

عرصہ دراز سے دل میں یہ خواہش مچل رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث کریمہ کی روشنی میں ایک ایسی کتاب تحریر کروں، جس میں تجارت و معیشت کے فضائل اور احکام عام فہم اور سہل انداز میں پیش کر دیئے جائیں۔ اس سے ایک طرف تجارت کے شعبہ سے وابستہ افراد کو اسلامی نہج میں تجارتی و معاشی معاملات انجام دینے میں رہنمائی مل سکے تو ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس فرمان پر بھی عمل ہو سکے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو شخص میری امت کے لئے اُمور دین سے متعلق چالیس احادیث یاد کرے، تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں اٹھائے گا“۔ اگرچہ اس سے پہلے ہر زمانے میں محدثین کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک پر عمل کرتے ہوئے، مختلف موضوعات مثلاً زہد و تقویٰ، جہاد اور آداب معاشرت پر چالیس احادیث کو جمع فرمایا ہے، لیکن راقم کی ناقص معلومات کے مطابق تجارت و معیشت پر ایسا کوئی مجموعہ منصفہ شہود پر نہیں آیا۔ چنانچہ برکت حاصل کرنے اور بزرگان دین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس سوچ کے ساتھ ”اربعین تجارت و معیشت“ کے نام سے چالیس احادیث کریمہ کو جمع کیا کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مقدّس احادیث کریمہ کے طفیل مجھ گناہ گار کی مغفرت فرمادے (امین)۔

تجارت و معیشت معاملات زندگی میں انتہائی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیثِ کریمہ میں ان کے تمام پہلوؤں پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، تاکہ ان کو کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہ ہو۔ آج اکثر تاجر حضرات بے شمار تجارتی خرابیوں کا شکار ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کی خاطر کسی بھی غیر شرعی و غیر قانونی کام سے نہیں رکتے۔ تجارت میں جھوٹ، رشوت، دھوکہ، جھوٹی قسم اور ملاوٹ ایک عام سی بات ہو چکی ہے۔ کچھ تاجر ایسے بھی ہیں، جو ایمان داری سے اپنے معاملات انجام دینے کے خواہاں ہیں، لیکن شرعی احکام سے لاعلمی کی وجہ سے چاہت کے باوجود وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ لہذا ان دونوں قسم کے تاجروں کے لئے یہ کتاب انتہائی سود مند ہے۔ اس کی روشنی میں وہ اپنے معاملات کا جائزہ لے کر انہیں درست کر سکتے ہیں۔

کتاب کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی غرض سے موضوع کے تحت دی گئیں احادیثِ کریمہ کی تخریج بھی کر دی گئی ہے۔ تخریج میں یہ بات پیش نظر رہے کہ اس میں احادیث کی مختلف کتابوں سے حوالے درج کئے گئے ہیں، لہذا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ احادیثِ کریمہ کا مفہوم تو ایک ہو، لیکن الفاظ میں کچھ کمی بیشی ہو جائے۔

اس کتاب کے لکھنے میں مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمن صاحب اور جمیل العلماء مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ کی حوصلہ افزائی اور روحانی فیض میرے شامل حال رہے۔ مفتی منیب الرحمن صاحب نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کو حرف بحرف ملاحظہ فرمایا اور اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ جہاں کہیں بھی اصلاح کی گنجائش تھی، مفتی صاحب کے مشورے پر تبدیلی کر دی گئی اور آپ کی فکر و سوچ سے بھرپور استفادہ کیا گیا، جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہوا۔ مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی صاحب ہر پندرہ بیس روز کے بعد اپنی علالت اور دیگر مصروفیات کے باوجود فون

کے ذریعہ کتاب کے بارے میں دریافت فرماتے اور دُعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔ آپ کی حوصلہ افزائی راقم کے لئے تازہ خون کی حیثیت رکھتی تھی۔ بارگاہِ ربّ ذوالجلال میں دُعا گوہوں کہ وہ ان بزرگوں کو صحت و عافیت اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ عمرِ دراز عطا فرمائیں اور ہمیں ہمیشہ ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، (امین)۔ اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں حسبِ سابق جناب سید طاہر الحسن صاحب، مولانا عبدالکلام صاحب اور محمد مقصود حسین اویسی کا تعاون شامل رہا۔ علاوہ ازیں احادیثِ کریمہ کی تخریج محترم دوست علامہ محمد صابر نورانی، ناظم تعلیمات جامعہ انوار القرآن، گلشنِ اقبال کراچی کے تعاون سے مکمل ہوئی۔ ان کے علاوہ جن احباب نے بھی میرے ساتھ کسی بھی طرح کا تعاون کیا، میں اُن تمام احباب کا تہہ دل سے شکر گزار و ممنون ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تہہ دل سے دُعا گوہوں کہ وہ انہیں دونوں جہاں کی سعادتیں نصیب فرمائے (امین)۔

میں اس کتاب کی جملہ لغزشوں کو اپنی کوتاہی اور خصوصیات کو فَضْلِ رَبِّی پر محمول کرتا ہوں، اور آپ بارگاہِ ربّ العزت میں دُعا گوہوں کہ وہ میری اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہِ عالی میں شرفِ قبولیت عطا فرما کر! سے میری، میرے والدین مرحومین، اولاد، بھائی بہنوں، اساتذہ کرام اور جملہ مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ بنائے، (امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)۔
 باوجود انتہائی کوشش کے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس پر ضرور آگاہ کریں۔ ہر مثبت مشورے پر بصد شکر یہ عمل کیا جائیگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

الْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى

سید صابر حسین

استاذ الفقہ جامعہ انوار القرآن، گلشنِ اقبال، کراچی

حدیث نمبر: 1

کسبِ حلال کی فضیلت

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال رزق کا طلب کرنا دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔

تخریج: (شعب الایمان للبیہقی، باب الستون من شعبۃ الایمان، رقم الحدیث: 8482)

تشریح:

اس حدیث شریف میں اہل ایمان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان پر صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی فرض نہیں ہے بلکہ رزقِ حلال کا حصول بھی فرض اور ضروری ہے۔ جس طرح نماز اور روزے کی ادائیگی عبادت ہے، اسی طرح رزقِ حلال کو حاصل کرنا بھی عبادت ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نماز، روزے اور حج وغیرہ بلا واسطہ (direct) جبکہ رزقِ حلال کا حصول بالواسطہ (indirect) عبادت ہے۔ کسی شخص کا رزقِ حلال کی طلب میں مزدوری کرنا، دفتر میں ملازمت کرنا، کاشت کاری کرنا، تجارت کرنا اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر روزی کمانا یہ سب بھی دین ہی کا حصہ ہے۔ لہذا حلال و طیب روزی کمانے کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے نہ صرف حلال کھانے بلکہ خیر کے کاموں میں حلال ہی خرچ کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اس کی وضاحت قرآن مجید کی متعدد آیات

کریمہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ** ترجمہ: ”اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو، (سورہ بقرہ، آیت نمبر 267)“۔ یہاں حلال رزق خرچ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے تو ایک دوسری آیت کریمہ میں حلال رزق کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ** ☆ ترجمہ: ”اے لوگو! زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ، جو حلال طیب ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، (سورہ بقرہ، آیت نمبر: 168)“۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کن لوگوں پر اور کیا خرچ کریں تو انہیں جواب دیا گیا: **قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ** آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خیر یعنی حلال و طیب ہو۔ اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے، اُن کے لئے پہلی شرط یہی ہے کہ وہ طیب یعنی رزق حلال سے حاصل کردہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ عز و جل نے اپنی راہ میں خبیث و حرام مال کو خرچ کرنے سے منع بھی فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ط وَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ** ☆ ترجمہ: اور (اللہ کی راہ میں) ایسی ناکارہ اور ناقابل استعمال چیز دینے کا قصد نہ کرو، جس کو تم خود بھی آنکھیں بند کئے بغیر لینے والے نہیں اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بے نیاز بہت تعریف کیا ہوا ہے، (سورہ بقرہ، آیت: 267)۔ اگر عمیق نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے فرائض و واجبات کی قبولیت میں رزق حلال کا بہت زیادہ عمل دخل ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ رزق حلال کے ساتھ کی گئی عبادتیں ہی اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں قبول ہوتی ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم بات کی وضاحت اپنی ایک حدیث مبارک میں بھی فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جس کا کھانا، پینا اور لباس حرام کا ہو اللہ تعالیٰ اُس کی دُعا بھی قبول نہیں فرماتا، حالانکہ دُعا کو عبادات کا مغز قرار دیا گیا ہے لہذا اگر دُعا ہی قبول نہ ہو، تو دیگر عبادات کیسے قبول ہوں گی؟۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حلال کمائی کے مثبت اثرات انسان کی زندگی پر پڑتے ہیں، اسی طرح ناجائز و حرام کمائی کے منفی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔

محنت و مشقت سے جی چرانا کسی بھی صورت میں جائز نہیں، کیونکہ محنت و مشقت کر کے رزقِ حلال کمانا اس قدر اہم فریضہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہر نبی نے دین کی تبلیغ کی ذمہ داری ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس فریضے کو بھی انجام دیا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں، تجارت کی غرض سے دو مرتبہ ملک شام کا سفر کیا اور مقامِ جزف پر زراعت فرمائی۔ حضرت آدم اور حضرت یسع علیہما السلام نے کھیتی باڑی کی، حضرت ادریس علیہ السلام نے کتابت اور درزی کا پیشہ اختیار کیا، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے، حضرت داؤد علیہ السلام زرہ سازی اور لوہے کی صنعت سے وابستہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اس صفت کو اپنی حدیث مبارک میں بیان فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام نے نجاری (carpenter) کا کام کیا اور انہوں نے اسی ہنر کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک بڑی کشتی تیار کی۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے کھیتی باڑی اور تعمیر کا کام کیا، اُن کے صاحبزادے حضرت اسمعیل علیہ السلام تیر کے کاریگر تھے، حضرت یوسف علیہ السلام نے غلے کا کاروبار کیا، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور اُن کے تمام بیٹوں نے بکریاں چرائیں اور

ان کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے، حضرت ایوب علیہ السلام مویشی بانی اور کھیتی باڑی سے وابستہ تھے، حضرت ہارون علیہ السلام نے تجارت کی، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رنگ سازی کے پیشے سے وابستہ تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کھجور کے پتوں سے زنبیل (bag/purse) بناتے اور فروخت کرتے تھے۔ الغرض جملہ انبیاء کرام نے کسی نہ کسی جزوقتی (part time) شعبے کو اختیار کیا اور ذریعہ روزگار بنایا۔

اسی طرح جب ہم حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو انہیں بھی حصولِ رزقِ حلال میں مصروف پاتے ہیں۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کپڑے کی تجارت کر کے روزی کماتے تھے، کپڑے کے تاجر تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ گھی کی تجارت کرتے تھے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ گوشت فروش تھے، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کپڑے سی کر رزقِ حلال کماتے تھے۔

فقہاء کرام میں سے بھی اکثر تجارت کے ذریعے رزقِ حلال کماتے تھے، جیسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کپڑے کے تاجر تھے۔ لہذا رزقِ حلال کا حصول نہ صرف انبیاء کرام کی سنتِ مبارکہ ہے بلکہ صحابہ کرام، اکابرین امت اور فقہاء کرام کا بھی طرزِ عمل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جناب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بہترین کھانا اُسے قرار دیا، جو انسان محنت سے کما کر کھاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص دن بھر محنت و مشقت کر کے حلال رزق کماتا ہے اور اسی تھکاوٹ میں رات گزارتا ہے، تو اُس کی وہ رات مغفرت میں گزرتی ہے۔ مزید یہ کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مزدور صحابی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اس سے بڑھ کر کسبِ حلال کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

اس حدیث مبارک میں اُن لوگوں کی بھی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، جو محنت کرنے کی بجائے گداگری اختیار کر کے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور بوجھ بنتے ہیں۔ ایسا شخص جسے اللہ رب العزت نے عقل و شعور اور صحت کی نعمتِ عظیمہ سے سرفراز کیا ہو، اُس کے لئے عبادت و ریاضت کے نام پر دنیا سے بے رغبت ہو کر کسبِ حلال سے بچنا جائز نہیں بلکہ اُس پر لازم ہے کہ وہ عبادت و ریاضت کے علاوہ رزقِ حلال کے لئے بھی ہر ممکن کوشش کرے۔ اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ صدقات و خیرات کے مل جانے کی امید پر محنت و مشقت سے کنارہ کش ہو جائے۔ ایسے لوگوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی غنی (مالدار شخص) کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایسے شخص کے لئے جو توانا اور تندرست ہو، (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ)۔“

حدیث نمبر: 2

حرام و حلال کی تمیز سے لا پرواہی کا زمانہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ مِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ
ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جس میں آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اُس نے جو مال حاصل کیا ہے، اُس کا ذریعہ حلال ہے یا حرام؟۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب من لم یبال من حیث کسب المال، رقم الحدیث: 2059)

تشریح:

اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے یہ حدیث مبارک انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ اس میں ایک ایسے زمانے کی پیشن گوئی کی جا رہی ہے، جسے آج دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ اس سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی صداقت و حقانیت کا بھی پتا چلتا ہے کہ جن معاملات کے ہونے کی پیشن گوئی ان احادیث مبارکہ میں صدیوں پہلے کر دی گئی، وہ معاملات صحیح روشن کی طرح عیاں ہو رہے ہیں۔

آج ہر کوئی زیادہ سے زیادہ کمانے کی ہوس میں مبتلا ہے، جو جتنی جلدی اور جس قدر زیادہ مال حاصل کر لے، وہ دنیا والوں کے نزدیک عقل مند اور فہم و فراست والا ہے، اس سے کسی کو کوئی غرض نہیں کہ جو مال وہ حاصل کر رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔ اُسے تو صرف اپنی خواہش کی تکمیل کرنی ہے، اپنے مال میں اضافہ کرنا ہے اور اپنی جھوٹی انا (ego) کی تسکین کرنی ہے۔ قرآن مجید نے انسان کی مال کثیر جمع کرنے کی فطری کمزوری کو آخرت سے غفلت کا سبب قرار دیا ہے اور اس حقیقت کو سورہ تکاثر کی ابتدائی آیات کریمہ میں بیان فرما دیا کہ:

الْهٰکُمُ التَّکٰثُرُ ☆ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ☆ تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا حتیٰ کہ تم (مراکز) قبروں میں پہنچ گئے، (سورہ تکاثر، آیت نمبر 1, 2)۔ ذہن میں رہے کہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی، بلکہ حدیث مبارک میں ہے کہ ابن آدم کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، اسے اگر ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو وہ ایک اور وادی کی خواہش کرے گا لہذا اس سے چھٹکارے کی ایک ہی صورت ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارک میں بیان فرمایا ہے کہ اُن لوگوں کو دیکھو جو تم سے کم تر ہیں اور اُن لوگوں کو مت دیکھو، جو (مال و دولت) میں تم سے اعلیٰ ہیں، اس طرح

کرنے سے تم میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کا جذبہ بڑھے گا، (بلوغ المرآم صفحہ نمبر 313)۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے بندہ اپنے رب کا شکر گزار بھی بنتا ہے اور اُسے اطمینان و سکون کی دولت بھی حاصل ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک ایسا تھا کہ اُس میں مسلمان انتہائی محتاط انداز میں مال لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر کسی چیز کے بارے میں شک ہو جاتا کہ یہ اُن کے لئے حلال نہیں تو اُس سے بچتے اور حلال کے لئے تگ و دو کیا کرتے تھے۔ ایسی کئی روایات ملتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوک ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو تناول نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو بھی یہی تعلیم دی کہ نہ صرف حرام سے بچو بلکہ اُن اشیاء سے بھی بچو کہ جن کے بارے میں شک ہو جائے کہ وہ حلال ہے یا حرام؟۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ کوئی بندہ اُس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ ناپسندیدہ اور فبیح چیزوں کو نہ چھوڑ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ جو چیز تمہیں شک میں ڈالے، اسے چھوڑ کر ایسی چیز کو اختیار کرو، جو شک میں نہ ڈالے۔ یہی وجہ ہے کہ، خلفاء راشدین، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اُس زمانے کے مسلمان اس فکر و سوچ کے ساتھ زندگی گزارتے تھے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے، کس کام میں اُن کے لئے دنیاوی اور اخروی فوائد ہیں اور کس میں نہیں؟۔ لیکن وقت گزرتا گیا اور آہستہ آہستہ لوگوں میں حلال و حرام کی تمیز ختم ہو گئی اور اب حدیث مبارک میں بیان کی گئی پیشن گوئی کے مطابق معاملات نظر آ رہے ہیں۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے لہذا اس کے دیئے ہوئے تمام اصولِ انسان کی ضرورت اور فطرت کے عین مطابق ہیں اور اسی میں انسانیت کی بقا و کامیابی کا راز مضمر ہے۔ لہذا جب اُس نے کسی شے کو حلال قرار دیا تو اُس میں یقینی طور پر انسانوں کے لئے فوائد ہیں اور جن اشیاء کو حرام قرار دیا تو اُس میں یقیناً انسانوں کے لئے نقصان موجود ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے، اُن کی تعداد حلال کے مقابلے میں بہت کم ہے یعنی زیادہ تر اشیاء حلال ہیں، اسی طرح اشیاء کو حرام قرار دے کر اُن کے بہتر متبادل دے دیئے۔ مثلاً سود کو حرام قرار دیا تو اس کے بدلے میں تجارت، صنعت و حرفت، کاشتکاری اور شراکت و مضاربت کو جائز قرار دے دیا اور شراب کو حرام قرار دے کر انواع و اقسام کے مشروبات کے پینے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ لہذا جو انسان اس فرق کو سمجھتے ہوئے مال و دولت حاصل کرتا رہتا ہے تو اس سے نہ صرف دنیاوی اعتبار سے اُسے فائدہ پہنچتا ہے بلکہ اخروی کامیابی اُس کے لئے مقدر کر دی جاتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ حرام مال سے بچنا اُس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ کون کون سی اشیاء حرام ہیں اور کن ذرائع سے روزی حاصل کرنا حلال ہے اور کن سے حرام؟۔ یہ ذمہ داری نہ صرف تاجر حضرات پر ہے بلکہ زراعت، صنعت و حرفت، وکالت اور محنت مزدوری کرنے والے تمام افراد پر بھی ہے۔ تاجر حضرات کی اولین ذمہ داری ہے کہ دوران تجارت جھوٹ، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، سود، رشوت اور دیگر غیر شرعی امور سے اجتناب کریں تاکہ اُن کے منافع میں حرام مال شامل نہ ہو۔ کسان، ماہرین صنعت اور وکلاء اور مزدوروں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے کام کو بہتر انداز میں امانت و صداقت کے معیار کے مطابق انجام دیں۔ حرام سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں کیونکہ حرام کی نحوست اس قدر تباہ کن اور اثر انگیز ہے کہ اس سے حلال مال بھی تباہ و برباد ہو جاتا ہے یعنی اُس حلال مال سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تو دنیاوی نقصان ہے، آخرت کے نقصان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ وہ گوشت جو حرام سے پروان چڑھے، وہ جنت میں نہیں جائے گا بلکہ وہ جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔ اسی طرح جو لوگ حرام سے بچتے ہیں، تو اُن کے لئے حدیث مبارک میں خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عبادت

گزار بندوں میں شمار فرمائے گا۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ کوئی شخص اپنی روزی حاصل کئے بغیر نہیں مرے گا اگرچہ روزی کے حاصل کرنے میں کچھ تاخیر ہو جائے لہذا حرام اشیاء سے بچو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے عبادت گزار شمار ہو گے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے رزق کا جو حصہ مقرر فرمایا دیا ہے اس پر خوش رہو، تو لوگوں میں غنی بن جاؤ گے، (ترمذی شریف، کتاب الزہد)۔“

حلال کے حصول اور حرام سے بچنے کی دُعا

اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے حلال ذرائع سے اتنا وافر (رزق) عطا فرما کہ حرام کی حاجت نہ رہے اور اپنے فضل و کرم سے اتنا عطا فرما کہ تیرے غیر سے بے نیاز ہو جاؤں، (امین)۔“

حدیث نمبر: 3

سچے اور امانت دار تاجر کا مقام و مرتبہ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نَ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْإِمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ

ترجمہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچائی اور امانت داری کے ساتھ معاملہ کرنے والا تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

تخریج: (سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی التجار تسمیة التی ایامهم، رقم الحدیث: 1252)

(سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الحث علی الکسب، رقم الحدیث: 2222)

تشریح:

منافع حاصل کرنے کی نیت سے مال کی خرید و فروخت کرنا تجارت ہے۔ فقہاء کرام نے مال کمانے کے ذرائع میں سب سے بہترین ذریعہ تجارت کو قرار دیا ہے۔ ایک حدیث مبارک کی رو سے رزق کے بیس دروازوں میں سے انیس دروازے تجارت کے لئے ہیں۔ یعنی 95% فیصد رزق اور برکت تجارت میں ہے (کنز العمال، جلد 4، صفحہ نمبر 33)۔ لیکن شریعت مطہرہ نے تجارت کرنے کے لئے کچھ شرائط عائد کی ہیں۔ جن میں امانت و صداقت انتہائی اہم ہے۔ کیونکہ تجارت میں زیادہ تر خرابیاں اور بے راہ روی امانت و صداقت کے چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

درج بالا حدیث شریف میں سچے اور امانت دار تاجر کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے کہ اس کا معاملہ انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء کرام کے ساتھ ہوگا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تجارت جو بظاہر ایک دنیاوی عمل لگتا ہے اگر اسے سچائی اور امانت کے معیار کے عین مطابق کیا جائے تو یہی تجارت اخروی عمل بن جاتی ہے اور ایسے تاجر کو اتنا بڑا رتبہ ملے گا، جس کی تمنا ہر مسلمان کرتا ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتنے ہی عمل ایسے ہیں، جو بظاہر دنیا کے اعمال لگتے ہیں لیکن حسن نیت کی وجہ سے وہ آخرت کے اعمال بن جاتے ہیں۔ اسی طرح کتنے ہی اعمال ایسے ہیں، جو ظاہری شکل و صورت میں اخروی اعمال گردانے جاتے ہیں لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے وہ دنیا کے اعمال بن جاتے ہیں۔ لہذا اگر تاجر اس نیت کے ساتھ تجارت کرتا ہے کہ وہ رزق حلال کمائے گا اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت بھی کرے گا تو یقیناً یہ دینی عمل بن جائے گا اور تاجر اس اچھی نیت کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

جھوٹ اور بے ایمانی کی اجازت تو کسی بھی معاملے میں نہیں ہے بلکہ ان کی مذمت کرتے ہوئے، انہیں منافقت کی علامتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس حدیث مبارک میں خاص طور پر تاجروں کو سچائی اور امانت کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ لیکن اگر تاجر تجارتی معاملات میں بے ایمانی اور جھوٹ کا سہارا لیتا ہے تو ایسے تاجر کے بارے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تاجر قیامت کے دن فاسق و فاجر کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے مگر جو نیک ہیں اور پرہیزگاری و سچائی کے ساتھ تجارت کرتے ہیں، ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوگا۔ حدیث مبارک میں ہے کہ سچا تاجر سب سے پہلے جنت میں جائے گا اور عرش کے سائے میں ہوگا۔

اس حدیث مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تاجروں کو مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر قرار دینا تعجب کی بات نہیں کیونکہ معمولی تامل سے بھی یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جہاد صرف میدان جنگ میں دشمنوں سے مقابلہ کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ بازار تجارت میں حرام سے بچتے ہوئے حلال کے انتخاب میں بھی ہوتا ہے۔

تاجروں کو اتنی عظمت عطا کرنے کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عام حالات میں ایک شخص کے لئے سچ بولنا اور ایمان داری کو اختیار کرنا آسان ہوتا ہے لیکن تجارت کی وجہ سے عام طور پر انسان میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے اور مال سے مزید مال پیدا کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ لہذا ایسے حالات میں سچائی اور ایمان داری کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا بہت مشکل امر ہے اور ایسا کرنے والا دراصل خواہشات کے خلاف جنگ جیت کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنیوالوں کی طرح ہو جاتا ہے۔

عصر حاضر میں عالمی تجارت ایک چیلنج بن کر سامنے آئی ہے اور عالمی استثمار

اسے اپنے غلبے کے لئے استعمال کر رہا ہے، کیونکہ پوری دنیا میں اقتصادی و معاشی جنگ لڑی جا رہی ہے اور معاشی نظام کو اپنے قبضے میں لے کر دوسری اقوام کو اپنا غلام بنایا جا رہا ہے۔ جو ممالک معاشی اعتبار سے مضبوط و مستحکم ہیں، وہ غریب اور پسماندہ ممالک کو اپنے زیر اثر رکھتے ہیں، اُن کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں اور من پسند حکمران اور قوانین کو مسلط کر دیتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال ملکِ عزیز پاکستان کی ہے کہ معاشی کمزوری کی وجہ سے یہ مختلف بین الاقوامی مالیاتی اداروں اور مغربی ممالک سے بھاری شرح سود پر قرض لینے پر مجبور ہے، اس کے باعث یہ ممالک نہ صرف پاکستان کی خارجہ پالیسی بلکہ ملکی پالیسی بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں اور پالیسی سازی میں وہ پاکستان کی بجائے اپنے ملک و قوم کے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں لہذا اس سے پاکستان کے عوام کو کوئی فائدہ نہیں ملتا بلکہ وہ مزید غریب و بد حال ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی مسلمان تجارت کے ذریعے مسلمانوں کو مضبوط کرتا ہے اور یہود و نصاریٰ کے دست برد سے آزاد کراتا ہے، تو وہ بھی مجاہد ہی کا درجہ پائے گا، (سرمایہ کاری کے شرعی احکام)۔

حدیث نمبر: 4

تجارت میں کثرت سے قسم اٹھانے کے نقصانات

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يَنْفِقُ ثُمَّ يَمْحَقُ
ترجمہ:

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اپنے مال کو فروخت کرتے وقت زیادہ قسمیں کھانے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ (وقتی طور پر) تجارت کو فروغ دیتی ہے لیکن اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب النهی عن الحلف فی البیع، رقم الحدیث: 4209)
(سنن نسائی، کتاب البیوع، باب المنفق سلعة بالحلف الکاذب، رقم الحدیث: 4477)

تشریح:

شریعت نے انتہائی ضرورت کے وقت مسلمانوں کو ماضی یا حال میں واقع ہونے والے کسی کام یا بات میں خود کو سچا ثابت کرنے کے لئے یا مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر خود کو پابند کرنے کی غرض سے قسم اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ فقہاء کرام نے قسم کی تین قسمیں بیان کی ہیں، غموس، لغو اور منقعدہ۔ اگر کوئی شخص قصداً جھوٹ پر قسم اٹھائے تو یہ غموس ہے، قسم ”لغو“ یہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی کسی بات پر اپنی دانست میں سچی قسم اٹھائے اور درحقیقت وہ جھوٹ ہو۔ بعض فقہاء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ گفتگو کے دوران تکیہ کلام کے طور پر جو قسم کھالی جاتی ہے، وہ لغو ہے۔

ماضی یا حال کے بارے میں قسم کھائی جائے تو ضروری ہے کہ وہ سچ پر مبنی ہو ورنہ قسم کھانے والا گنہگار ہوگا اس پر توبہ لازم ہے، اسی طرح اگر قسم مستقبل میں کسی عمل کو کرنے یا نہ کرنے کی ہو، تو پھر یہ لازم ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اگر کسی نے اپنی قسم توڑ دی تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔

لہذا قسم کی اجازت صرف ضرورت اور سچائی کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں قسم کو ہر جائز و ناجائز معاملے میں بطور ایک آلہ اور ڈھال استعمال کیا جا رہا ہے، جو اس کی حرمت و مرتبے کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس بری عادت میں اکثر لوگ مبتلا ہیں لیکن تاجر حضرات میں یہ خصلت زیادہ پائی جاتی ہے کہ اپنا مال فروخت کرنے کے لئے بعض اوقات سچی اور کبھی جھوٹی قسم بھی اٹھالیتے ہیں۔ لہذا اس حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاجروں کو کثرت سے قسم اٹھانے سے منع فرما رہے ہیں اور اس

بات سے بھی آگاہ فرما رہے ہیں کہ قسم کی وجہ سے اگرچہ تاجر کا مال تو فروخت ہو جاتا ہے اور تاجر نفع تو کما لیتا ہے لیکن حقیقت میں کاروبار سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی نحوست مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ یہ نقصان سچی مگر کثرت سے قسم کھانے والے کا ہے، جہاں تک تعلق جھوٹی قسم کے ذریعے مال فروخت کرنے والے کا ہے، اُس کے بارے میں تو بہت ہی سخت وعید آئی ہے۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ قیامت کے دن تین لوگ ایسے ہوں گے، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا اور نہ ہی اُن کو معصیت و گناہ کے میل سے صاف کرے گا، اُن تین میں سے ایک شخص وہ ہوگا، جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے مال کو فروخت کرنے والا ہو۔

ایک اور مقام پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کا حق جھوٹی قسم کھا کر چھین لیا، اس کے لیے اللہ نے جہنم کی آگ واجب کر دی ہے اور اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگرچہ وہ شے معمولی ہی کیوں نہ ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگرچہ وہ پیلو کے درخت کی شاخ (ٹہنی) ہی کیوں نہ ہو، (صحیح مسلم)۔“

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے جان بوجھ کر ایسی جھوٹی قسم کھائی، جس کے نتیجے میں اُس نے کسی مسلمان کا مال (ناحق) کھایا وہ اللہ (تعالیٰ) کو (قیامت کے دن) اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوگا، (بخاری و مسلم)۔

زیر مطالعہ حدیث مبارک سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ دین کی نظر میں برکت والی کثرت کی اہمیت ہے کیونکہ برکت کے بغیر کثرت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو برکت کی دُعا کرنے کی تلقین فرمائی

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وضو کے بعد یہ دُعا کیا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ
 وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ ترجمہ: اے اللہ میرے گناہ کو معاف
 فرما دے اور میرے گھر میں وسعت فرما اور میرے رزق میں برکت عطا فرما، (سنن ترمذی)۔
 برکت کا مفہوم یہ ہے کہ شے خواہ مقدار میں کم ہو، لیکن اُس میں افادہ (utility)
 اس قدر زیادہ ہو کہ وہ کم ہونے کے باوجود ضرورت پوری کر دے اور یہی اصل ہے۔ تاجروں کو
 اسی کی کوشش کرنی چاہئے۔ آج لوگ برکت سے زیادہ کثرت کو اہمیت دیتے ہیں، لہذا اپنی
 تجارت کو فروغ دینے اور مال کو فروخت کرنے کے لئے قسم کا سہارا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو
 سوچنا چاہئے کہ ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے برخلاف ہے
 ۔ وہ اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا کریں۔ اسی میں اُن کا فائدہ ہے۔ تجارت میں قسم کھانے کا
 ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ اس سے آدمی نہ صرف دوسروں کے سامنے بے اعتبار ہو جاتا ہے
 بلکہ اُس کے دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی زائل ہو جاتی ہے اور وہ بے خوف ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر: 5

خرید و فروخت میں نرمی کا حکم

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ: رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمَحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرَى وَإِذَا قَتَضَى
 ترجمہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، جو خرید و فروخت اور
 قرض کا تقاضا کرتے وقت نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب السہولۃ والسماحۃ فی الشراء والبیع، رقم الحدیث: 2077)

(سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب السماحۃ فی البیع، رقم الحدیث: 2287)

تشریح:

خوش اخلاقی اور نرمی دو ایسی صفات ہیں، جن کا کوئی متبادل نہیں اور یہی وہ صفات ہیں، جو کسی میں پیدا ہو جائیں تو وہ انسان نہ صرف ہر دلعزیز اور مقبول ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اُس پر اترنا شروع ہو جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود مہربان اور نرمی و مہربانی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر جتنا وہ عطا کرتا ہے، سختی پر اتنا عطا نہیں کرتا، (مسلم شریف)۔

زیر بحث حدیث مبارک میں خاص طور پر تجارت اور لین دین میں نرمی اور خوش اخلاقی کو اختیار کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں تو یہاں تک آیا ہے کہ ایک شخص کو تجارتی معاملات میں نرمی کی وجہ سے بخش دیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خرید و فروخت اور قرض کے معاملے میں نرمی کی کیا صورت ہے۔

فروخت کرتے وقت نرمی کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ منافع کمانے کی غرض سے گاہک کو اتنی زیادہ قیمت نہ بتائے کہ اُس کے لئے لینا دشوار ہو جائے اور اگر گاہک سودے کی قیمت کم کرائے تو جس حد تک ممکن ہو، اُسے رعایت دے۔ اسی طرح اگر کوئی مجبور و محتاج شخص جس کے پاس فوری قیمت دینے کی استطاعت نہ ہو، تو اُسے بلا سود ادھار پر چیز فروخت کرنا بھی اس نرمی میں شامل ہے۔ اس نرمی کے کئی فوائد ہیں کہ اس سے اُس کے گاہکوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور بازار میں اُس کی نیک نامی بڑھے گی اور سب سے بڑھ کر وہ فائدہ ہے، جس کا ذکر احادیث مبارکہ میں کر دیا گیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملک شام تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

کے غلام میسرہ بھی تھے، جنہوں نے مال فروخت کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا مشاہدہ فرمایا اور واپسی پر اس کا تذکرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے کیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھیج دیا۔

آج جب دکانداروں اور کاروباری حضرات کے طرزِ عمل کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سوائے چند کے اکثر اپنے گاہکوں اور خریداروں کے ساتھ نرمی کی بجائے سختی اور ٹرٹش روئی سے پیش آتے ہیں۔ اگر کوئی قیمت میں کمی کرانے کی کوشش کرے تو اُس سے ناراضی کے اظہار کے ساتھ ٹکا سا جواب دیدیتے ہیں۔ یہ عمل نہ صرف شرعی بلکہ کاروباری اخلاقیات کے اعتبار سے بھی ناپسندیدہ ہے۔ اس سے گاہک کا نقصان کم اور تاجر کا زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس غیر اخلاقی رویے کی وجہ سے وہ گاہک آئندہ اُس کے پاس نہیں آئے گا، جو کاروبار کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

خریدتے وقت نرمی کا مفہوم یہ ہے کہ قیمت کم کرانے کے لئے تاجر پر بے جا دباؤ نہ ڈالے، ایک دو دفعہ میں وہ مان جائے تو ٹھیک ہے وگرنہ کسی اور دکان سے جا کر خرید لے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ خریدار بعض اوقات قیمت کم کرانے کے لئے اس قدر ضد کرنے لگتا ہے کہ تاجر نہ چاہتے ہوئے بھی کم قیمت پر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اُسے نقصان بھی ہو جاتا ہے اور کئی دفعہ تو معاملہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ عمل اسلام میں ناپسندیدہ ہے کہ کسی کو اخلاقی دباؤ میں لا کر نقصان پہنچایا جائے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ کسی مسلمان کا مال اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنی رضامندی کے ساتھ کسی کو نہ دیدے۔ اور ظاہر بات ہے کہ زبردستی کم قیمت پر کوئی چیز لینے میں فروخت کنندہ کی دلی رضامندی نہیں ہوتی۔

حدیث مبارک میں تیسری بات جو بتائی گئی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر بھی رحم فرماتا ہے، جو قرض کی وصولی میں نرمی کا برتاؤ کرے۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض کا دینا ہی ایک مستحسن و مقبول عمل ہے، جس پر بے حد و حساب اجر و ثواب کی نوید سنائی گئی ہے۔ لیکن قرض دینے کے بعد اپنے مقروض کو مزید مہلت دینا یا اُسے معاف کر دینا اور بھی زیادہ نیکی کا عمل ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ **وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ط وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ** ☆ ترجمہ: اور اگر (مقروض) تنگ دست ہے تو اُسے اُس کی فراخ دستی تک مہلت دو اور (قرض کو معاف کر کے) تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، (سورہ بقرہ، آیت نمبر: 280)۔ اس آیت کریمہ میں مقروض کو مہلت دینے یا اُسے معاف کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ مفسر قرآن اور شارح صحیح بخاری و مسلم علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ ”مقروض کو ادائیگی میں مہلت دینا واجب ہے اور اس کا قرض معاف کر دینا مستحب ہے اور اس معاملے میں مستحب کا اجر واجب سے زیادہ ہے، کیونکہ حدیث میں مقروض کو مہلت دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا کسی آدمی پر کوئی حق ہو اور اس کو موخر کر دے تو اس کو ہر روز صدقہ کا اجر ملے گا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی مصیبت دور کی جائے تو وہ تنگ دست کے لئے کسادگی کرے، (انوار بیان القرآن، صفحہ نمبر 74)۔“

حدیث مبارک میں ہے کہ پرانے وقتوں میں ایک شخص کی بخشش اس لئے ہو گئی کہ وہ اپنے قرض کی وصولی کے وقت قرض داروں سے حسن سلوک کرتا تھا۔ وہ کسی کو ادائیگی میں مزید مہلت دیتا اور کسی کو معاف کر دیا کرتا تھا یہاں تک کہ جو لوگ استطاعت کے

باوجود نہ دیتے تو اُس سے چشم پوشی کیا کرتا تھا۔ حدیث مبارک میں حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن غم اور گھٹن سے بچائے تو اسے چاہئے کہ تنگ دست قرض دار کو مہلت دے یا قرض کا بوجھ اس کے اوپر سے اتار دے، (صحیح مسلم، کتاب الذکر)۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جس طرح قرض کی وصولی میں نرمی اور حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح قرض کی ادائیگی میں بھی یہی حکم ہے کہ قرض وقت پر ادا کر دیا جائے اور اگر بہتر چیز واپس کی جائے، لیکن بہتر چیز دینے کی صورت میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ قرض لیتے وقت ایسا کوئی معاہدہ نہ ہو کیونکہ اس صورت میں یہ سود شمار ہوگا جو کہ حرام ہے۔

حدیث نمبر: 6

ناپ تول میں کمی پر وعید

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ إِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيتُمْ أَمْرَيْنِ، هَلَكَتْ فِيهِ الْأُمَّةُ السَّابِقَةُ قَبْلَكُمْ

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپنے تولنے والے تاجروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بے شک دو ایسی چیزیں تمہارے سپرد کی گئی ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلے گذشتہ امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔

تخریج: (سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی المکیال والمیزان، رقم الحدیث: 1261)

تشریح:

خرید و فروخت میں عدل و انصاف کو قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے اور اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک آلہ پیدا کیا، جسے ترازو کہتے ہیں۔ اس آلے کی ایجاد کا مقصد لین دین میں درست ناپ تول کرنا اور حق تلفی سے بچنا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطِ اِسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذَلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاوِيْلًا** ☆ ترجمہ: اور جب تم ناپنے لگو تو پورا پورا ناپو اور جب تم وزن کرو، تو درست ترازو سے پورا پورا وزن کرو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے، (سورہ بنی اسرائیل، آیت: 35)۔ سورہ رحمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ** ☆ ترجمہ: اور انصاف کے ساتھ صحیح وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو، (سورہ رحمن، آیت نمبر 9)۔

سورہ مطفقین کی ابتدائی آیات کریمہ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَلِّ لِلْمُطَفِّفِيْنَ ☆ الدِّينَ اِذَا اَكْتَالُوْا عَلٰى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ☆ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ☆ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ☆ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ☆ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ☆ ترجمہ: ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے شدید عذاب ہے، ان لوگوں کے لئے کہ جب وہ دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں، کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا؟ ایک بڑے دن کے موقع پر جب سب لوگ ربِّ کائنات کی بارگاہ میں (جواب دہی کے لئے) کھڑے ہوں گے، (سورہ مطفقین، آیت: 6 تا 1)۔

درج بالا آیات کریمہ کو پڑھ کر ہر ذی شعور بخوبی جان سکتا ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کا انجام کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے لوگوں کی نفسیات اور سوچ کو بھی بے نقاب کر دیا گیا، جو لین دین کے موقع پر خود تو پورا پورا لیتے ہیں لیکن جب دوسرے فریق کو دینے کا وقت آتا ہے، تو پھر کم دیتے ہیں۔ انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ایک دن انہیں اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، پھر وہاں ہر ایک کو اُس کے اعمال کا بدلہ مل جائیگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینے کا عامل مقرر کیا تو وہ خیبر کی طرف گئے اور انہوں نے سورہ مطففین کی آیات کی تلاوت کی۔ اُن کی تلاوت کے بعد میں (ابو ہریرہ) نے کہا کہ فلاں شخص ہلاک ہو گیا، اُس کے پاس دو صاع (وزن کا پیمانہ) ہیں، ایک سے وہ ناپ کر دیتا ہے اور دوسرے سے ناپ کر لیتا ہے۔

ناپ تول کی اسی اہمیت کے پیش نظر زین نظر حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر ناپ تول کرنے والوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تمہیں دو ایسی ذمہ داری دی گئی ہیں، جنہیں پوری نہ کرنے کے جرم میں سابقہ امتوں میں سے کئی تباہ و برباد ہو گئیں۔ قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں پائی جانے والی برائیوں کا تذکرہ متعدد سورتوں میں موجود ہے۔ اُن کی جملہ برائیوں میں ایک بُرائی ناپ تول میں کمی کرنا بھی تھی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں پہلے ایک اللہ کی عبادت کی تعلیم دی، بعد ازاں انہیں دلائل کے ساتھ ناپ تول میں کمی کرنے سے روکا۔ لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب اُن پر سخت گرمی کی صورت میں نازل ہوا۔ گرمی سے پریشان ہو کر جب وہ اپنے گھروں کو گئے تو وہاں بھی سخت گرمی تھی لہذا وہ لوگ جنگل کی طرف نکل گئے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا، جس کے نیچے انہیں ٹھنڈک اور

آرام ملا تو انہوں اپنے باقی ماندہ لوگوں کو بھی وہاں بلا لیا اور سب بادل کے نیچے جمع ہو گئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک آگ بھیجی، جس نے ان سب کو جلا دیا اور سب ناپ تول میں کمی کی وجہ سے اپنے انجام کو پہنچے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں ملتی ہیں، جو قوم عہد شکنی کرتی ہے، اللہ اس پر اس کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے، جو قوم احکامِ الہی کے خلاف فیصلہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو تنگ دست کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے، اس میں طاعون پھیل جاتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، وہاں زرعی پیداوار میں برکت نہیں رہتی اور قحط سالی پھیل جاتی ہے۔ جو قوم زکوٰۃ نہیں دیتی، اللہ تعالیٰ ان پر بارش نازل نہیں کرتا۔ اس حدیث مبارک میں کتنے واضح انداز میں قحط سالی اور زرعی پیداوار میں کمی کی وجہ بیان کر دی گئی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں لین دین میں جہاں دوسری بہت ساری خرابیاں موجود ہیں، ان میں ناپ تول میں کمی بھی عام ہے۔ ناپ تول میں کمی کے کئی طریقے انہوں رائج کر لئے ہیں، الیکٹرونک کانٹوں میں بظاہر وزن درست دکھایا جاتا ہے حقیقت میں کم ہوتا ہے۔ 1000 گرام کے بٹے کا اصل وزن کم ہوتا ہے، مائع اشیا، مثلاً دودھ بیچنے والے ماپنے کا برتن اصل وزن سے چھوٹا رکھتے ہیں۔ سودے والے پلڑے کے نیچے پتھر یا وزنی چیز رکھ دیتے ہیں تاکہ بظاہر وزن پورا ہو جائے اور گاہک کو خوش کرنے کے لئے الگ سے کچھ دیدیتے ہیں، اس طرح گاہک سے دھوکہ کرتے ہیں۔ آج کے کئی تاجر حضرات بلا خوف ان سارے قبیح اعمال میں مبتلا ہیں۔ زرکی ہوس میں مبتلا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ انہیں تو صرف بے ایمانی کر کے اپنی دولت میں اضافے کی ہوس ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرماتے اور اس

حوالے سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی باقاعدہ تربیت فرمایا کرتے تھے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جو اجرت پر وزن کیا کرتا تھا، فرمایا کہ وزن کرو تو جھکتا ہوا دو، (سنن ابوداؤد)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی تعلیمات اور تربیت کا اثر تھا کہ مدینہ منورہ میں کوئی تاجر ناپ تول میں کمی نہیں کرتا تھا اور ان کا یہ عمل آج بھی قائم ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو اُس ترازو کو بھی یاد رکھنا چاہئے، جس میں اُن کے اعمال تولے جائیں گے اور اسی ترازو کی بنیاد پر کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حقیقت میں ایسے تاجروں کو دنیا ہی میں سزا مل جاتی ہے، کیونکہ جب لوگوں کو اُن کی بددیانتی کا پتا چلتا ہے تو پھر لوگوں کا اعتماد اُن سے اُٹھ جاتا ہے، لوگ اُن کے ساتھ خرید و فروخت چھوڑ دیتے ہیں اور بالآخر اس برے عمل کی وجہ سے پورا کاروبار ٹھپ ہو جاتا ہے اور پھر غربت و محتاجی اُس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو تاجر دین کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ترازو جھکا کر ناپ تول کرتے ہیں، اُن پر لوگ اعتماد کرنے لگتے ہیں اور زیادہ تر معاملات اُن کے ساتھ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف اُن کا کاروبار بڑھتا ہے بلکہ آخرت میں فوز و فلاح بھی انہیں حاصل ہوگی۔

حدیث نمبر: 7

ذخیرہ اندوزی (hoarding) کی مذمت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ

ترجمہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو اشیائے ضرورت کو بازار میں لانے سے نہیں روکتا، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُسے رزق دے گا اور وہ شخص جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ لعنت کا مستحق ہے۔

تخریج: (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الحکرۃ والحلب، رقم الحدیث: 2236)
تشریح:

کاروباری نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو تاجروں کے لئے منافع کمانے کے دو راستے ہیں، ایک یہ کہ وہ اشیائے صرف مارکیٹ میں لا کر کچھ منافع پر فوزا فروخت کر دے اور پھر دوسرا مال لائے۔ اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ تاجر زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی غرض سے اشیائے صرف کا پہلے غیر معمولی ذخیرہ کر لے اور پھر جب اُن کی ضرورت انتہا، کو پہنچ جائے تو لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گراں قیمت پر اُن کو فروخت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث مبارک میں ان دونوں تاجروں کا تذکرہ فرمایا کہ ان میں سے ایک کو خوشخبری سنائی ہے جبکہ دوسرے کے لئے وعید فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال روک کر لوگوں کا استحصال نہ کرنے والے تاجر کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اس احسن عمل کی وجہ سے اُس کے رزق میں برکت عطا فرمائے گا، کم منافع میں بھی اُس کے لئے زیادہ فوائد ہونگے۔ لوگوں کا اُس پر اعتماد بڑھے گا لہذا اُس کے گاہکوں میں اضافہ ہوگا، جس کی وجہ سے منافع میں بھی اضافہ ہوگا۔

اس کے برعکس زیادہ منافع کمانے کی غرض سے اشیائے صرف کی ذخیرہ اندوزی کرنے والا دنیاوی اور اخروی دونوں اعتبار سے نقصان اٹھاتا ہے۔ اخروی نقصان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہے، جبکہ دنیاوی

اعتبار سے اُس کا نقصان یہ ہے کہ وہ لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھتا ہے، معاشرے میں اُس کی قدر و منزلت ختم ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ بالآخر کاروبار کے تباہ و برباد ہو جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔

ذخیرہ اندوزی کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اشیاء ضرورت کو بازار میں لانے سے روک لینا اور قیمتوں کے غیر فطری طریقے سے بڑھنے کا انتظار کرنا اور جب قیمتیں بڑھ جائیں تو پھر مہنگی قیمت پر فروخت کرنا ذخیرہ اندوزی ہے۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والا تاجر دراصل ہوس، سنگدلی، بے رحمی اور ظلم و بربریت کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے، اُسے اپنے سوا کسی کی فکر نہیں ہوتی بس اپنے مرض کی تسکین کی خاطر وہ مجبور لوگوں کا معاشی استحصال کرتا ہے اور انہیں بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اسلام چونکہ تاجروں کو بنی نوع انسان کے ساتھ نرمی اور رحمت و شفقت کا معاملہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے لہذا اس نے ذخیرہ اندوزی سے منع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیر مطالعہ حدیث مبارک کے علاوہ دیگر احادیث مبارک میں بھی اس کی شدید مذمت ارشاد فرمائی۔ حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، وہ گناہ گار ہے۔ ایک حدیث مبارک میں ذخیرہ اندوزوں کی ذہنیت اور سوچ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ کتنا بُرا ہے اشیاء صرف کو روک لینے والا، اگر اللہ تعالیٰ چیزوں کے نرخ کو سستا کرتا ہے، تو اُسے غم ہوتا ہے اور جب قیمتیں بڑھتی ہیں، تو خوش ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص چالیس روز تک اجناس اور اشیاء خورد و نوش کو مہنگا ہو جانے کے ارادے سے روکے رکھے گا بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے بیزار ہے اور اللہ تعالیٰ اُس سے بیزار ہے، (مسند امام احمد بن حنبل)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ ان احادیث مبارکہ کے تناظر میں آج کے تاجروں کے طرز عمل کو دیکھا جائے تو ذخیرہ اندوزوں کی یہ ذہنیت اور سوچ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ آج کے تاجر زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے ناپاک جذبے کے تحت نہ صرف ان اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں، جن کی پیداوار کم ہے بلکہ وہ اشیاء جو افریقہ میں پیدا ہو رہی ہیں، ان کی مصنوعی قلت کر کے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور پھر بعد میں مہنگائی کی چکی میں پسے ہوئے عوام کو مزید پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اس کی کئی مثالیں ہمیں حال کے واقعات میں ملتی ہیں کہ پاکستان جو کہ ایک زرعی ملک ہے، جہاں وافر مقدار میں گندم، گنے اور چاول کی پیداوار ہوتی ہے۔ لیکن گزشتہ کئی سالوں سے گندم اور چینی کی مصنوعی قلت ظاہر کر کے ذخیرہ اندوزی کی گئی۔ اسی طرح رمضان شریف کے بابرکت مہینے کے شروع ہونے سے پہلے ہی اشیاء صرف کو روک لیا جاتا ہے اور پھر رمضان میں زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے۔ پیٹرول کی قیمت بڑھنے سے ایک دن پہلے ہی اس کی فروخت روک لی جاتی ہے تاکہ قیمت بڑھنے کا فائدہ اٹھایا جائے۔ ہر سال بجٹ کے آنے سے پہلے بھی کئی اشیاء ضرورت کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت میں شامل اکثر لوگ بڑی بڑی ملوں اور کارخانوں کے مالکان ہیں اور انہیں کسی نہ کسی طرح پتا چل جاتا ہے کہ اس سال کن اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں گی لہذا وہ ان ہی اشیاء کا ذخیرہ کر کے خوب نفع کماتے ہیں۔ الغرض آج کے تاجروں میں ذخیرہ اندوزی ایک عام سی بات ہو گئی ہے۔ خاص طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایسے تاجر جن کو کاروبار میں اجارہ داری حاصل ہوتی ہے، وہ زیادہ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی کے فروغ میں مروجہ بینکاری نظام بھی بہت بڑا کردار ادا کر رہا ہے اور وہ اس طرح کہ تاجر حضرات اپنے کاروبار کو فروغ دینے کی خاطر بینکوں سے بھاری

شرح پر رقم حاصل کر لیتے ہیں اور زرضمانت کے طور پر اپنا مال اُن کی تحویل میں رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح بینک کو سود کی صورت میں جبکہ تاجروں کو قرض کے ملنے اور تحویل شدہ مال کی قیمت میں اضافے کی صورت میں دوہرا فائدہ پہنچتا ہے۔ اور نقصان صرف اور صرف غریب صارفین کا ہوتا ہے۔ ایسے تاجروں کو چاہئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث مبارکہ کو پیش نظر رکھیں اور اپنے اس قبیح فعل سے آئندہ کے لئے توبہ کریں وگرنہ اُن کے مال و دولت سے برکت ختم کر دی جائیگی اور آخرت کی پکڑ اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

حدیث نمبر: 8

بازار کی آزادی میں مداخلت کی ممانعت

عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعَا النَّاسَ يَرْزُقِ اللَّهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ

ترجمہ:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑو۔ اللہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق دیتا ہے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم البیع الحاضر للبادی، رقم الحدیث: 3902)

(سنن نسائی، کتاب البیوع، باب البیع الحاضر للبادی، رقم الحدیث: 4512)

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں تجارت میں ناجائز منافع کمانے، مہنگائی اور گراں فروشی کے سدباب کے لئے ایک اہم اصول بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے شہری لوگ دیہاتیوں کے

مال کو فروخت نہ کریں بلکہ انہیں خود بازار میں جا کر بھاؤ تاؤ (bargaining) کر کے بیچنے کا موقع دیا جائے اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، وہ خود ہی طلب و رسد (demand and supply) کو نظر میں رکھتے ہوئے اشیاء کی قیمتوں کا تعین کریں گے۔ دراصل اسلام تجارتی معاملے میں کسی تیسرے شخص کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عمل سے چیزوں کی حقیقی قیمت کا تعین مشکل ہو جاتا ہے اور واسطہ بننے والا شخص (middle man) اپنے فائدے کے لئے کبھی فروخت کنندہ اور کبھی خریدار کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں دو ایسے طریقے رائج تھے، جن میں نہ صرف غریب کاشتکار کا استحصال کیا جاتا تھا بلکہ عام لوگوں کو سستی اشیاء، زیادہ قیمت پر ملتی تھیں۔ ان میں سے ایک ’تلقی الجلب (purchase of imported commodities before it reaches market)‘ کہلاتا تھا۔ اس میں ہوتا یہ تھا کہ جب کاشتکار اپنی زمین کی پیداوار فروخت کرنے کے لئے شہر کا رخ کرتے تھے تو بعض شہری تاجر شہر سے باہر ہی انہیں روک لیا کرتے تھے اور انتہائی چالاکی کے ساتھ اُس سے کہتے کہ آپ کو شہر میں جانے کی کیا ضرورت ہے، یہ مال ہم پر فروخت کر دیں، ہم انہیں آگے لوگوں کو بیچ دیں گے۔ اس طرح دیہاتی کاشتکار ان کی باتوں میں آکر مال بیچ دیا کرتے تھے اور انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہر میں ان کے مال کی کیا مانگ ہے؟ اور شہر میں اس کی فروخت کس نرخ پر ہو رہی ہے وغیرہ۔ اس طرح شہری تاجر دو اعتبار سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے، ایک کاشتکار کے سادہ پن اور لاعلمی کا فائدہ اور دوسرا عام صارفین کو من مانی قیمت پر فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ منافع خوری کا فائدہ۔ لیکن اگر دیہاتی خود شہر میں آکر مال فروخت کرتا تو حالات و واقعات کو دیکھ کر مناسب منافع کماتا اور چونکہ اُسے اپنے گھر جانے کی جلدی بھی ہوتی ہے لہذا ذخیرہ اندوزی کا

خدا ختم ہو جانے کی وجہ سے عام صارفین کو مناسب قیمت پر مطلوبہ شے مل جاتی۔

دوسرے طریقے میں کوئی شہری تاجر دیہاتی سے اُس کا مال یہ کہہ کر لے لیتا کہ

مناسب وقت پر زیادہ منافع پر آپ کا یہ مال میں فروخت کر دوں گا۔ اس معاملے کو عربی میں

”بیع حاضر للباد“ کہتے ہیں۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شہری تاجر جس کا سامان

تجارت شہر میں موجود ہے اور شہریوں کو اُس کی اشد ضرورت بھی ہے لیکن زیادہ منافع کمانے

کی غرض سے وہ اپنا مال بجائے شہر میں فروخت کرنے کے دیہات میں جا کر فروخت کرے

اور سادہ لوح دیہاتیوں سے من مانی قیمت وصول کریں۔ چونکہ بیع حاضر للباد کی ان دونوں

صورتوں میں عام طور پر شے کی قیمت کا درست تعین نہیں ہوتا لہذا اسے بھی مکروہ قرار دے کر

اس سے روک دیا گیا۔ فقہاء کرام نے ان دونوں کے مکروہ ہونے کی جو

علتیں (reasons/rationale) بیان کی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے

شے کی درست قیمت متعین نہیں ہوتی اور دوسری یہ ہے کہ اس سے عام لوگوں کو نقصان پہنچتا

ہے، لہذا اگر کوئی شہری یہ معاملہ اس طرح کرتا ہے کہ جس میں مکروہ ہونے کی یہ دو علتیں موجود

نہ ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ وقت میں ایسے

لوگوں کا ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ جو صرف غریب اور سادہ لوح کسانوں کو فائدہ

پہنچانے کے لئے یہ کام انجام دیں۔ منڈیوں وغیرہ میں آڑھتی کا جو کام ہو رہا ہے وہ بھی ان

ہی دو خرابیوں کے نہ ہونے کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ کبھی دیہاتیوں کے لئے ممکن نہیں ہوتا

کہ وہ اپنا مال شہر میں لا کر فروخت کریں لہذا وہ شہر کے آڑھتیوں سے یہ معاہدہ کر لیتا ہے کہ

میں اپنا مال تمہیں فروخت کر دوں گا یا تمہارے حوالے کر دوں گا، پھر تم انہیں آگے شہریوں کو

فروخت کر دینا۔ اگر یہ معاملہ صرف اس حد تک ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ اسلام چیزوں کی قیمت کے متعین ہونے کو بھی

طلب و رسد کے نظریے پر چھوڑتا ہے تاہم تاجروں کو اس بات کا بھی پابند بنایا گیا ہے کہ منافع کو حاصل کرنے میں وہ قناعت، اعتدال، حسن معاملہ اور نرمی کو نظر انداز نہ کریں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ چیزوں کی قیمت متعین فرمادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسْعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ** یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہی قیمت کا تعین کرنے والا ہے، چیزوں کی رسد میں کمی کرنے والا اور اضافہ کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔ اس حدیث مبارک میں اگرچہ طلب و رسد کے فطری اصول کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاہم بعض حالات میں مثلاً جب قیمتوں میں کمی کر کے عام تاجروں کو جائز منافع کمانے سے بھی روکا جا رہا ہو یا زیادہ منافع خوری کے ذریعے صارفین کا استحصال کیا جا رہا ہو، تو چیزوں کی قیمتوں میں کمی بیشی کرنے کا اختیار حاکم کو بھی دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت میں ہمیں ایک مثال ملتی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ بازار آئے تو دیکھا کہ ایک شخص اپنی چیز معروف نرخ سے کم پر بیچ رہا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ **إِنَّمَا أَنْ تَزِيدَ فِي السَّعْرِ وَ إِنَّمَا أَنْ تَرْفَعَ عَنِ سَوْقِي** کہ تم یا تو قیمت میں اضافہ کرو یا پھر بازار سے چلے جاؤ۔

قیمتوں کے کنٹرول (control) میں حکومت کی مداخلت کا مطلب یہ ہے کہ وہ فوری طور پر ایسے اسباب و محرکات کا قلع قمع کرے، جن کی موجودگی میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کا حرص پروان چڑھ رہا ہو، ناجائز منافع خوروں کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جائے اور ان اسباب کے ختم ہونے تک قیمت کا تعین حکومت کی ذمہ داری ہو۔

حدیث نمبر: 9

رشوت کی مذمت

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي فِي النَّارِ

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا (دونوں) جہنمی ہیں۔

تخریج: (المعجم الكبير للطبرانی، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 1435)

تشریح:

درج بالا حدیث مبارک میں ایک ایسی مالیاتی بدعنوانی کی مذمت بیان کی جا رہی ہے، جو معاشرے کو ایک ناسور کی طرح اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جس کے دور رس برے اثرات اجتماعی اور انفرادی سطح پر پڑتے ہیں۔ وہ مالیاتی بدعنوانی ”رشوت کا لین دین“ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث مبارک میں رشوت دینے اور لینے والے دونوں کو یہ وعید سنائی کہ وہ دونوں جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ہمارے ہاں عام طور پر رشوت لینے والے کو زیادہ برا سمجھا جاتا ہے اور اُسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن اس حدیث مبارک میں دلچسپ بات یہ ہے کہ رشوت دینے والے کا ذکر پہلے کیا گیا اور لینے والے کا بعد میں۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ رشوت لینا اور دینا اگرچہ دونوں ہی روئے قابل مذمت ہیں، لیکن دینے والا لینے والے کی بہ نسبت زیادہ بڑا مجرم ہے۔ کیونکہ اُس کے دینے سے یہ برائی معاشرے میں فروغ پاتی ہے اور لینے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی

ہے۔ اگر لوگ رشوت دینے سے باز آجائیں تو لینے والے کس سے لیں گے؟۔

رشوت کیا ہے؟ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی جامع ترین تعریف اس طرح کی ہے کہ ”رشوت وہ چیز ہے جو آدمی کسی حاکم یا غیر حاکم کو اس مقصد کے تحت دیتا ہے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو یا اس کے من پسند منصب پر اسے فائز کیا جائے۔“ رشوت کے اس قدر انفرادی اور اجتماعی نقصانات ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ جب کسی معاشرہ میں رشوت ستانی عام ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے عدل و انصاف کا قتل عام ہو جاتا ہے، میرٹ کی حیثیت ختم اور دولت کو فوقیت مل جاتی ہے۔ معیار کی بجائے پیسے کا بول بالا ہو جاتا ہے، عہدے اور مناصب فروخت ہونے لگتے ہیں، لوگوں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے، ادارے اپنا کام درست طریقے سے نہیں کر پاتے، نااہلوں کی کثرت بالآخر اداروں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ پر امن معاشرہ اختلاف و افتراق اور باہمی نفرت و عداوت کا شکار ہو جاتا ہے۔

آج رشوت کے اس ناسور میں ایک عام کلرک سے لے کر عوام کے قیمتی ووٹ کے ذریعے وزارت حاصل کرنے والے بھی مبتلا ہیں۔ سوائے چند کے اکثر انتہائی بے شرمی کے ساتھ اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھورے ہیں۔ رشوت کے لین دین میں ملوث افراد دراصل ملک و ملت اور قوم کے دشمن ہوتے ہیں۔ انہیں کسی سے محبت نہیں، انہیں صرف اور صرف اپنی ذات اور مفادات عزیز ہوتے ہیں۔ ایک حدیث مبارک میں ایسے خود غرض، ہوس زر میں مبتلا مفاد پرست لوگوں کو ناپسندیدہ لوگوں میں شمار کیا گیا ہے۔

سرکاری اور دیگر اداروں کے ملازمین رشوت لیتے ہیں اور دل کی تسلی کے لئے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو اس کا حق دلانے میں مدد کی ہے لہذا ہم اس سے حق محنت لے رہے ہیں حالانکہ وہ اپنے دفاتر میں کام کرنے کا باقاعدہ معاوضہ لیتے ہیں اور ان کی ذمہ

داریاں یہی ہیں کہ وہ لوگوں کو آسانیاں فراہم کریں، اُن کا کام بروقت کر کے دیں اور اُن کے ساتھ تعاون کریں۔ اب اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے پر سرکار سے تنخواہ لے رہے ہیں تو پھر عوام سے الگ سے پیسے لینے کا کیا جواز ہے؟ ایسے پیسے کو رشوت کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے۔ آج نوکریاں فروخت ہو رہی ہیں، باقاعدہ اُن کی بولی لگتی ہے، جو جتنی زیادہ رقم بطور رشوت دیتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ حق دار ہے یا نہیں، وہ منصب حاصل کر لیتا ہے۔ لہذا جب ہر سطح پر رشوت ستانی کا دور دورہ ہوگا تو پھر صنعتیں تباہ و برباد ہونگی اور ادارے فائدے کی بجائے نقصان دینگے۔ وطن عزیز میں اس کی ایک نہیں بلکہ اسٹیل ملز، ریلوے اور پی آئی اے اور ان جیسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ ان اداروں کی تباہی کی متعدد وجوہات میں ایک وجہ رشوت بھی ہے۔

پولیس کا محکمہ، جس کا باقاعدہ قیام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافتِ راشدہ کے زمانے میں وجود میں آیا۔ اس محکمے کے قیام کا بنیادی مقصد لوگوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت تھی۔ بد قسمتی سے یہ ادارہ رشوت خوری کا مرکز بن گیا، جس کا لازمی نتیجہ بے راہ روی، قتل و غارت گری میں اضافے، قانون شکنی اور عزت و آبرو کی پامالی کی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ لوگ جرائم کرتے ہیں اور رشوت دے کر بڑی آسانی سے اپنی جان بچا لیتے ہیں۔ رشوت بند کمروں سے لے کر سڑکوں تک کھلے عام نظر آتی ہے، کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں۔ ٹریفک قوانین توڑ کر چند روپوں کے عوض اپنی جان چھڑانا ایک عام سی بات ہے۔

تجارتی سطح پر بھاری رقم کے بدلے بڑے بڑے ملکی اور عوامی منصوبے حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ اور اس رشوت کی رقم کے بوجھ کو کم کرنے کی خاطر ناقص مال منصوبے میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ایسے منصوبے (projects) ناپائیدار ہوتے ہیں اور سانحہ شیر شاہ جیسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ تاجر حضرات معیار کو جانچنے

والے (quality control) اداروں کو رشوت دے کر اپنے غیر معیاری اور مضر صحت مصنوعات کی منظوری حاصل کر لیتے ہیں اور قوم کی جان، مال اور صحت سے بے خوف ہو کر کھیلتے ہیں۔ حال ہی میں پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں ناقص دوا کھا کر سینکڑوں افراد کا قلمہ اجل ہو جانا اس کا واضح ثبوت ہے۔ یہ رشوت ہی ہے، جس کی وجہ سے مرچوں کی بجائے پسی اینٹ، کالی مرچ کی جگہ پیپتے کے بیج اور پانی ملا دودھ کھلے عام بازار میں فروخت ہو رہا ہے۔ تاجر حضرات کے رشوت دینے سے ایک طرف مصنوعات کے معیار میں کمی آ جاتی ہے تو دوسری طرف اس رشوت کا بار صارفین پر ڈال دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اشیاء صرف کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ ہو جاتا ہے۔ آج وطن عزیز میں مہنگائی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

رشوت کی ان ہی خرابیوں کی وجہ سے نہ صرف زیر مطالعہ حدیث مبارک بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور دیگر احادیث مبارکہ میں اس کی شدید الفاظ میں مذمت بیان کی گئی ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں کو دو، تاکہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ، (سورہ بقرہ، آیت: 188)۔ سورہ بقرہ کی اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رشوت بھی اگرچہ ناحق مال کھانے کی ہی ایک صورت ہے، اس کے باوجود اس کی شناعیت اور ناپاکی کو ظاہر کرنے کی غرض سے آیت کریمہ میں اس کا ذکر الگ سے کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ حاکموں، ججوں، وکلاء، مجسٹریٹ، پیواریوں اور دیگر افراد کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کروا لیتے ہیں اور پھر دوسروں کی جائداد، دولت اور مال پر ناجائز تسلط حاصل کر لیتے ہیں۔ آج رشوت

کی یہ صورت معاشرے کو دیمیک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ یہ صورت زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھی اور آج کے نام نہاد مہذب اور تعلیم یافتہ زمانے میں بھی مختلف ناموں اور صورتوں میں رائج ہے۔ کبھی یہ نذرانے کے نام پر تو کبھی تحفے کے نام سے دی جاتی ہے اور کبھی خدمت و عقیدت کے خود ساختہ نام سے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ایسی ہی رشوت کو گناہ قرار دیا جا رہا ہے۔

اسی طرح سورہ مائدہ کی آیت نمبر 63 میں علماءِ یہود اور ان کے حکام میں پائی جانے والی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ انتہائی بُرا کام ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کے واقعات محض قصے کہانی اور دل لگی کے لئے بیان نہیں کئے گئے ہیں بلکہ درسِ عبرت کے طور پر اور ان برائیوں کے برے اثرات سے بچنے کی ترغیب دینے کے لئے بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک حدیث مبارک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قومِ بنی اسرائیل میں یہ برائیاں پائی جاتی تھیں، اُمتِ مسلمہ کے بعض طبقہ میں بھی پائی جائیں گی۔ لہذا ہمیں چوکنا رہنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ کہیں ہم میں بھی تو وہ برائیاں نہیں پیدا ہو گئیں اور غور کرنے پر پتا چلے گا کہ یقیناً ہم میں بھی یہ برائی دانستہ یا غیر دانستہ طور پر پیدا ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، (امین)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث مبارکہ میں رشوت خور پر لعنت کی گئی ہے اور رشوت کے تکلیف دہ نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ ”جو بھی گوشت مالِ رشوت سے پروان چڑھتا ہے، تو اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہی زیادہ مناسب ہے۔ اسی طرح ایک حدیث مبارک میں ہے کہ جو گوشت رشوت کی رقم سے پروان چڑھے گا وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

رشوت کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں گفتگو کے بعد ایک اہم مسئلے کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں رشوت لینے کی تمام صورتوں کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے۔ البتہ رشوت دینے کی چند صورتوں کی اجازت بھی دی ہے اور ان صورتوں میں رشوت دینے سے رشوت لینے والا گناہ گار ہوگا رشوت دینے والا نہیں۔ مثلاً اگر کسی جگہ اپنی جان یا عزت و آبرو کو بچانے کے لئے کسی کو کچھ دینے پر مجبور ہو جائے، تو پھر جان و عزت کے بچاؤ کے لئے اختیار کئے گئے اس قبیح فعل کا سارا وبال رشوت لینے والے پر ہوگا۔ اسی طرح بعض اوقات ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے اپنا جائز شرعی و قانونی حق حاصل کرنا عملاً ناممکن بنا دیا جاتا ہے اور وہ اپنے جائز حق کو لینے کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے تو اس کا سارا وبال رشوت لینے والے پر ہوگا۔ اس کی نمایاں مثال یہ ہے کہ جی پی فنڈ (GP fund) اور پنشن (pension) کا اجراء رشوت نہ دینے پر مشکل ترین بنا دیا جاتا ہے اور گورنمنٹ ریٹائرڈ ملازمین اپنے محکمے اور اے جی آفس کے دفاتر کے چکر لگا کر عاجز آ جاتے ہیں۔ ان معاملات میں رقم دینے کا ثبوت ایک حدیث مبارک سے ملتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں حبشہ میں اپنی جان چھڑانے کے لئے دو دینار دینے پڑے۔ تب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہائی ملی۔ اس وقت آپ نے فرمایا تھان ان الائم علی القابض ذون الدافع یعنی لینے والا گناہ گار ہوگا دینے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو رشوت کے ناسور سے نجات عطا فرمائے اور میرٹ کا بول بالا فرمائے، (امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

حدیث نمبر: 10

سود کی مذمت

عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكِلَ الرِّبَاَ وَ مُؤَكِّلَهُ وَ كَاتِبَهُ وَ شَاهِدِيَهُ وَ قَالَ هُمْ سَوَاءٌ

ترجمہ:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اُس کے (معاملے) کو لکھنے والے اور اُس کی گواہی دینے والے سب پر لعنت کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مزید) فرمایا کہ وہ سب (گناہ) میں برابر ہیں۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب لعن اکل الربوا و مؤکلہ، رقم الحدیث: 4177)

تشریح:

زیر مطالعہ حدیث مبارک میں سودی معاملے میں کسی بھی حیثیت سے شامل ہونے والوں کی مذمت بیان کی جا رہی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ دین میں سود کی جس قدر مذمت کی گئی ہے کہ اس کی نظیر کسی اور حکم یا معاملے میں نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں سود لینے والوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ جنگ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ**

وَرَسُولِهِ

ترجمہ: ”پس اگر تم ایسا نہ کرو، تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سُن لو، (سورہ بقرہ، آیت: 279)۔“ قرآن مجید میں شراب، جوئے اور خنزیر کی حرمت کا بھی ذکر ہے

لیکن ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں سے جنگ کا اعلان نہیں کیا گیا صرف سود خور سے اعلان جنگ ہے۔

قرآن و حدیث میں سود کی اس قدر مذمت بیان کرنے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں غریبوں کے استحصال (exploitation) کے ساتھ ساتھ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے تقسیم دولت کا نظریہ پروان نہیں چڑھ سکتا، علاوہ ازیں اس کی موجودگی میں معاشی ترقی کا عمل بھی بہتر طور پر انجام نہیں پاتا۔ ”امیر امیر تر اور غریب غریب تر“ ہوتا چلا جاتا ہے، جس سے معاشرے میں سماجی عدل و انصاف اور اخوت و بھائی چارگی کے تصور کا ناپید ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔ اسلام چونکہ اخوت و بھائی چارگی، سماجی و معاشرتی مساوات و عدل اور حقیقی اخلاقی و عملی نظام کا علمبردار ہے لہذا اس نے سود کے نظام کو ختم کرنے کے لئے ایسے طریقے وضع کئے، جو سود کے بہتر متبادل کے طور پر استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

زیر مطالعہ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس قبیح اور ناپسندیدہ عمل کی مذمت فرمائی ہے اور نہ صرف سود لینے والے پر بلکہ دینے والے، گواہ بننے والے اور سودی معاملات کو لکھنے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ ایک حدیث مبارک میں سود کے گناہ کو بیان اس طرح کیا گیا کہ سود میں ستر سے زائد گناہ ہیں، ان میں سب سے کم تر گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کر لے۔ قارئین کرام خود اندازہ لگائیں کوئی سلیم العقل مسلمان اپنی ماں سے نکاح کرنا تو دور کی بات ہے، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن سود خود دراصل اپنے عمل سے گویا کہ ایسا کر رہا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ماں سے نکاح والے گناہ کو سود کھانے کا سب سے کم تر گناہ قرار دینے سے اس جرم کی سنگینی کا احساس دلانا مقصود ہے، (الامان والحفیظ)۔

حدیث نمبر: 11

وسعت ہونے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَخَذَ
أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَائَهَا أَدَى اللَّهِ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ اتِّلَافَهَا اتَّلَفَهُ اللَّهُ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو لوگوں کا مال (بطور قرض) لے اور وہ اس کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کرے گا، اور جس شخص نے مال بطور قرض لیا اور ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس کی وجہ سے تباہ کر دے گا۔“

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب فی الاستقراض، باب من اخذ اموال الناس يريد اداها او اتلافها، رقم

الحدیث: 2387)

تشریح:

درج بالا حدیث مبارک میں ایسے لوگوں کو خوشخبری سنائی جا رہی ہے، جو کسی سے قرض اس نیت کے ساتھ لیتے ہیں کہ جیسے ہی توفیق ہوئی، ادا کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ قرض کی ادائیگی میں ان کی مدد فرماتا ہے یعنی انہیں قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا فرمادیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر قرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ مقصد کی خاطر نہ ہو، تو ادائیگی تک اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ ہوتا ہے، (المستدرک علی الصحیحین، کتاب البیوع)۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق انتہائی ضرورت کے وقت کسی کے لئے قرض لینا جائز ہے وگرنہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے قرض سے انسان پر ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اور بلا ضرورت

قرض لینے سے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال نہیں ہوتی۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے لئے بلا ضرورت صرف نمود و نمائش اور جھوٹی انا کی غرض سے قرض لیتے ہیں اور پھر ساری زندگی پریشان رہتے ہیں۔ البتہ کسی شرعی اور جائز ضرورت کے لئے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں بھی یہ خیال رکھا جائے کہ اتنا قرض لیا جائے، جس کی آسانی سے ادائیگی ہو سکے۔ ہمارے ہاں تو مالِ مفت دلِ بے رحم کا قاعدہ چلتا ہے کہ اگر کہیں سے قرض مل رہا ہو، تو بلا سوچے سمجھے قرض لے لیتے ہیں اور پھر بعد میں ادائیگی نہ کرنے کی بناء پر ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال کریڈٹ کارڈ ہے، جس میں کارڈ ہولڈر خوب مزے میں سہولت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور پھر بعد میں ادائیگی سے قاصر ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اصل قرض علاوہ سود کا بوجھ بھی پڑ جاتا ہے۔ راقم الحروف ایسے کئی لوگوں کو جانتا ہے، جنہیں قرض اور سود کی ادائیگی کے لئے ساری زندگی کی محنت گھر کو بھی فروخت کرنا پڑا۔ احادیث مبارکہ میں قرض لینے کو خودکشی کے مترادف قرار دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرض سے دور رہو کیونکہ اس کی ابتدا غم ہے اور انجام ناداری ہے، (موطا امام مالک، کتاب الوصیۃ، باب جامع القضاء)۔

شریعت میں بلا ضرورت قرض لینے اور ضرورت سے زیادہ قرض لینے کے ناپسندیدہ ہونے کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیمِ امت کے لئے اپنی نماز میں قرض سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے، اس حوالے سے ایک دُعا ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَائِمِ وَالْمَغْرَمِ ترجمہ: اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ وسلم سے استفسار کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ قرض سے اس قدر زیادہ پناہ کیوں طلب کرتے ہیں، تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک بندہ جب قرض لیتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے، (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض)۔

زیر مطالعہ حدیث مبارک میں اُن لوگوں کی شدید مذمت بھی کی گئی، جو ادا نہ کرنے کی نیت سے قرض لیتے ہیں۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قرض دے تو مقروض کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی میں قرض خواہ کو بلاوجہ پریشان نہ کرے بلکہ اُس کی ادائیگی طے شدہ وعدے کے مطابق کر دے اور اگر مقرر وقت پر ادائیگی میں دقت ہو رہی ہو تو پھر قرض خواہ سے جھوٹ بولنے یا اُسے دھوکہ دینے کی بجائے، اُس سے مزید مہلت کی درخواست کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ادا نہ کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے چور کی حیثیت سے ملاقات کرے گا۔ کسی مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر باعثِ شرمندگی امر کیا ہوگا کہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں چور شمار کیا جائے۔ اسی طرح ایک حدیث شریف میں ہے کہ مالدار کا قرض دینے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالدار کا قرض ادا کرنے میں تاخیر کرنا اُس کی آبرو اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ آبرو کو حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر سختی کی جائے گی اور سزا کے طور پر اُسے قید کر دیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ قرض مقروض کے پاس قرض خواہ کی امانت ہوتا ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے امانتوں کو اُن کے حقداروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ قرض کی ادائیگی کی اہمیت کا اندازہ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے یہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ اس میت پر کوئی قرض تو نہیں، اگر اُس پر کوئی قرض نہ ہوتا تو جنازے کی امامت فرمادیتے وگرنہ منع کر دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر حکمتِ طرزِ عمل سے ایک طرف تو قرض کے ادا کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے تو

دوسری طرف اس سے میت کا قرض کوئی اور ادا کر دیتا، اور وہ اس طرح کہ اگر میت کا ترکہ اور اُس کے قرض کی ادائیگی کرنے والا نہیں ہوتا تو شرکاءِ جنازہ میں سے کوئی اس کی ذمہ داری لے لیا کرتا تھا، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقروض شخص کی نمازِ جنازہ سے انکار فرمایا تو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نمازِ جنازہ کی امامت فرمائیے، میں ان کی طرف سے قرض ادا کر دوں گا۔ اسی طرح حضرت محمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث مبارک میں ہے ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا پھر اپنی ہتھیلی مبارک کو اپنی پیشانی پر رکھا پھر سبحان اللہ کہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کس قدر سخت چیز نازل ہوئی۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سن کر ہم خاموش رہے اور خوفزدہ بھی ہو گئے۔ لہذا دوسرے دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کون سے سخت چیز نازل کی گئی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کر دیا جائے پھر زندہ ہو جائے پھر شہید کر دیا جائے اور پھر زندہ ہو جائے حالانکہ اُس پر قرض ہو، تو وہ جنت میں نہیں جائے گا یہاں تک کہ اُس کی طرف سے قرض کی ادائیگی نہ ہو جائے، (سنن نسائی)۔ قرض کی ادائیگی نہ کرنے کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مقروض کی نیکیاں قرض خواہ کو بدلے میں دے دی جائیں گی۔ جیسا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے انتقال کیا اور اُس کے ذمہ دینا زیاد رہا ہو، تو اُس کی نیکیوں سے بدلہ دیا جائے گا۔ کیونکہ وہاں نہ کوئی دینار ہوگا اور نہ ہی درہم، (سنن ابن ماجہ، ابوب الاحکام، التتجدیدی الدین)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارک میں ہے کہ مومن کی جان قرض کی ادائیگی تک معلق (hung) رہتی ہے۔

حدیث نمبر 12

اسلام میں بازار کی مشروعیت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوقِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا دَعَوْتُ هَذَا فَقَالَ النَّبِيُّ سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْنُؤُوا بِكُنْيَتِي

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے۔ ایک (یہودی) نے کہا۔ اے ابوالقاسم! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، تو اس نے ایک دوسرے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں نے اُسے بلایا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام پر نام رکھو میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ما ذکر فی الاسواق، رقم الحدیث: 2120)
(صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب النہی عن التکنی بآبی القاسم، رقم الحدیث: 5708)

تشریح:

درج بالا حدیث مبارک سے بازار جانے اور وہاں جا کر خریداری کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بازار وہ جگہ ہے، جہاں تاجر حضرات اپنے اموال تجارت صارفین کو فروخت کرنے کی غرض سے دکانوں، ریڑھیوں اور اسٹالوں میں رکھتے ہیں اور آزادانہ ماحول میں اپنی تجارت کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ احادیث کریمہ میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ (یہ بازار ماہ ذوالقعدہ کے شروع سے بیس ذوالقعدہ کے

درمیان لگتا تھا)، ذوالحجہ (یہ بیس ذوالقعدہ سے یکم ذی الحج تک لگتا تھا) اور ذوالحجاز (یکم ذی الحج سے لے کر آٹھ ذی الحج تک) کے نام سے تین بازار لگا کرتے تھے۔ ان میں لوگ اپنے اموال کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ ان بازاروں کی حیثیت ان کے نزدیک میلوں کی طرح تھی، جہاں وہ خرید و فروخت کے علاوہ چند منکرات اور ناپسندیدہ امور بھی شامل تھے۔ لہذا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اسلام آیا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ان بازاروں میں جانے میں تنگی محسوس کی۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ جاہلیت میں لوگ اگرچہ ان مہینوں میں بازار لگایا کرتے تھے لیکن ساتھ ہی گناہ کے کام بھی کرتے تھے تو کیا ہم ایسی جگہوں میں تجارت اور خرید و فروخت کریں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت کریمہ کو نازل فرمادیا کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کے فضل کو تلاش کرو یعنی حج کے زمانے میں بھی تمہارے لئے تجارت کرنا جائز ہے، (سورہ بقرہ، آیت نمبر 198)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے تحت بازار جاننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارک اور مباح ہے۔ یعنی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسب معاش اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے بازار گئے اور امت کو بازاروں میں جانے کا عملی نمونہ فراہم کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث مبارک میں ہے کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار گئے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا فروش سے چار درہم میں زیب تن کرنے کے لئے ایک سلا ہوا کپڑا خریدا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بلند مرتبہ لوگوں کا نوکر چا کر ہونے کے باوجود بازار جا کر خود سے خرید و فروخت کرنا عین سنت مبارک ہے اور یہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کا بھی طرز عمل ہے۔ صاحب مرتبہ لوگ بازار میں جانے کو معیوب سمجھتے ہیں، انہیں

اپنی اُس سوچ کو بدلنا چاہئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ عشرہ مبشرہ سے مراد وہ دس صحابہ کرام ہیں، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت سنادی تھی) کے بارے میں صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین صحابہ کرام کے درمیان مواخات (brotherhood) قائم فرمائی تو آپ نے اپنے دینی بھائی سے بازار کا پتا معلوم کیا اور وہاں جا کر پنیر کا کاروبار شروع کیا۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مدینہ منورہ میں دو مشہور بازار ”سوقِ زبالہ“ اور ”سوقِ بنی قینقاع“ موجود تھے۔ سوقِ بنی قینقاع میں تاجروں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ علاوہ ازیں مدینہ منورہ میں جانوروں کے بھی دو بازار قائم تھے، جن میں ایک کا نام ”سوقِ مزاحم“ اور دوسرے کا نام ”سوقِ بقیع الخیل“ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان بازاروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ضرورت بازار تشریف لے جاتے تو کفار مکہ آپ پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسے رسول ہیں، جو بازاروں میں جاتے ہیں اور کھانا وغیرہ نوش کرتے ہیں؟ اس اعتراض سے اُن کا منشا یہ تھا کہ یہ سب کام کسی رسول کے شایانِ شان نہیں ہیں اور مقامِ نبوت کے خلاف ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اُن کے اس اعتراض کو ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: وَقَالُوا مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ﴿١٠٦﴾ ترجمہ: اور کافروں نے کہا! یہ کیسا رسول ہے، جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا، جو اس کے ساتھ عذاب سے

ڈرانے والا ہوتا، (سورہ فرقان، آیت نمبر: 7)۔ یہ انتہائی لغو، فضول اور گھٹیا سوچ پر مبنی اعتراض تھا لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ط ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے، (سورہ فرقان، آیت نمبر: 20)۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے تحت بازاروں میں جانا نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے بلکہ دیگر رسل عظام کی بھی سنت طیبہ ہے۔

جہاں تک اس حدیث مبارکہ کا تعلق ہے، جس میں بازار کو ”ابغض البقاع“ یعنی ناپسندیدہ ترین جگہ قرار دیا گیا ہے تو اس حوالے سے عرض یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا منشاء تمام بازار ہی کو ناپسندیدہ قرار دینا نہیں ہے ورنہ پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بازار تشریف نہیں لے جاتے حالانکہ اس بات کو پہلے ہی آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ سے واضح کر دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے جایا کرتے تھے۔ لہذا یہاں یہ سمجھنا ہوگا کہ حدیث مبارکہ میں جس بازار کی مذمت بیان کی گئی ہے، اس سے مراد ہر بازار نہیں بلکہ وہ بازار ہے، جہاں زمانہ جاہلیت کی طرح منکرات، لغویات اور ان جیسے دیگر قبیح کام ہو رہے ہوں۔ جہاں شور و غل، جھوٹ، گانا بجانا اور دھوکہ دہی ہوں۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو عصر حاضر کے بازاروں میں بھی زمانہ جاہلیت جیسے معاملات دیکھنے کو ملتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سمجھ دار لوگ انتہائی ضرورت کے تحت بازار جاتے ہیں اور زیادہ جانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ لہذا تاجروں کو چاہئے کہ وہ بازار میں ایسا ماحول پیدا کریں، جو اسلامی روح اور سنت انبیاء کرام کے عین مطابق ہو۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کی رو سے ایسے ہی بازاروں میں جانا مکروہ یعنی ناپسندیدہ ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اسلام میں بلا ضرورت بازار میں جانے کی اجازت نہیں۔ ہمارے ہاں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ بغیر کسی مقصد کے بازار جاتے ہیں، وہاں یونہی گھومتے پھرتے ہیں اور نہ صرف اپنا بلکہ تاجروں کا قیمتی وقت بھی ضائع کرتے ہیں۔ کئی لوگ تاجروں کو خواہ مخواہ تنگ کرنے کے لئے بازار جاتے ہیں، بھاؤ تاؤ کرتے ہیں حالانکہ ان کی نیت خریدنے کی ہرگز نہیں ہوتی وہ ہر تاجر کو ایسا تاثر دیتے ہیں کہ گویا اُس نے مال خریدنا ہے۔ اس مقصد کی غرض سے بھی بازار جانا جائز نہیں۔

حدیث نمبر: 13

مارکیٹنگ اور دین کی تعلیمات

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ

ترجمہ:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (صحابہ) نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا اسلام (مسلمان) افضل ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہے۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب ای الاسلام افضل، رقم الحدیث: 11)

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تفضل وای امورہ افضل، رقم الحدیث: 172)

تشریح:

مارکیٹنگ (Marketing) جدید کاروبار میں ایک اہم عنصر کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ کسی کاروبار کی ترقی یا تنزیلی کا انحصار اُس کی مارکیٹنگ

کے مضبوط یا کمزور ہونے پر ہے۔ یہ جس قدر زیادہ مضبوط ہوگی، بازار یا منڈی میں مصنوعات کی کھپت (consumption) اسی قدر زیادہ ہوگی۔ لہذا مصنوعات کی اسی اہمیت کے پیش نظر آج سب سے زیادہ محنت اور سرمایہ اسی پر صرف کیا جا رہا ہے۔ ہر ادارہ باقاعدہ الگ سے مارکیٹنگ کا ایک شعبہ قائم کرتا ہے، جس میں مارکیٹنگ کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی ہے اور اس کے لئے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کا بجٹ رکھا جاتا ہے۔ یہ ماہرین اپنے ادارے کی مصنوعات (production) کو عام اور مقبول کرنے کی غرض سے ہر حربہ (technique) استعمال کرتے ہیں۔ اپنے جیسے دوسرے ادارے کی مصنوعات کو غیر معیاری ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس طرح اداروں میں مسابقت (Competition) پیدا ہو جاتی ہے اور اس مسابقت کی نوعیت جنگ کی سی ہوتی ہے۔ معیار (Quality) سے زیادہ نمود و نمائش پر محنت کی جاتی ہے یعنی چیزوں کی فروخت میں اضافے کو زیادہ اور معیار کو کم اہمیت دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس مسابقت اور معاشی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے ادارے مارکیٹنگ کرتے وقت اسلامی اصول و ضوابط کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اپنی مصنوعات کی تشہیر میں جھوٹ، دھوکہ، رشوت، سود، قمار (Gambling)؛ سمانی نمائش، بے پردہ خواتین اور غلط بیانی کا سہارا لیتے ہیں۔ غیر معیاری اور غیر ضروری اشیاء کو صارفین کے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ ان ہی کی ضرورت ہے۔ بلکہ مارکیٹنگ کے شعبے سے وابستہ لوگوں نے بتایا کہ ہمیں اس طرح تربیت دی جاتی ہے کہ ہم گمنجے کے سامنے کنگھی کی اس قدر فوائد بیان کریں کہ گنجا ضرورت نہ ہونے کے باوجود یہ سمجھے کہ یہ کنگھی اسی کی ضرورت ہے اور شاید اُس کے بال نہ ہونے کا سبب کنگھی کا استعمال نہ کرنا ہے۔

یہ ہے جدید مارکیٹنگ کا مختصر تعارف۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت مارکیٹنگ کے

بارے میں ہماری کس طرح رہنمائی کرتی ہے اور جدید مارکیٹنگ کی شریعت میں کس حد تک گنجائش ہے؟ تو اس حوالے سے درج بالا حدیث مبارک سے رہنمائی ملتی ہے۔ اگرچہ اس حدیث شریف میں بلا واسطہ (Directly) مارکیٹنگ کا ذکر نہیں ہے لیکن اپنی عمومی معنی کے اعتبار سے ہمیں مارکیٹنگ کے بارے میں واضح ہدایات فراہم کر رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل مسلمان اُسے قرار دیا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔ اسی طرح خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کو عالمی منشور دے رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دوسرے کا مال، جان اور عزت تمہارے لئے اتنی ہی قابلِ عزت ہیں، جس طرح یہ دن (عرفہ) اور یہ شہر (مکہ المکرمہ) تمہارے لئے معزز و مکرم ہے۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ کامل مومن تو وہ ہے، جس سے دوسروں کا مال اور جان محفوظ رہیں۔ درج بالا نبوی ارشادات کی روشنی میں جدید مارکیٹنگ کو دیکھا جائے، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ کاروباری ادارے اس کے ذریعے سے جھوٹ بولتے ہیں، انہیں دھوکہ دیتے ہیں اور اپنی غیر معیاری مصنوعات کی طرف صارفین کی توجہ مبذول کرانے کی غرض سے بے پردہ خواتین اور جسمانی نمائش جیسے غیر شرعی اور انتہائی ناپسندیدہ طریقہ کار کو اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی چرب زبانی اور غیر شرعی ہتھکنڈوں کو بروئے کار لا کر سادہ لوح لوگوں کے مال و جان سے کھیلتے ہیں۔

ذہن میں رہے کہ جدید مارکیٹنگ کی وجہ سے جہاں اخلاقی اعتبار سے معاشرہ گراؤ کا شکار ہو رہا ہے، ہوس زر کا جذبہ پروان چڑھ رہا ہے اور انسانی ہمدردی دم توڑ رہی ہے تو دوسری جانب مارکیٹنگ پر بے انتہا اخراجات کا غیر ضروری بوجھ آخر کار صارفین پر ہی پڑتا ہے، کیونکہ اُسے اُس مصنوع (product) کی قیمت میں شامل کر کے منافع کا تعین کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے مہنگائی میں بے انتہا اضافہ ہو رہا ہے۔ کچھ ادارے مارکیٹنگ

کے اخراجات کا بوجھ صارفین پر قیمت بڑھا کر ڈالنے کی بجائے معیار یا تعداد میں کمی کر کے کم کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا دھوکہ اور بے ایمانی ہے اور اس کی بھی اجازت نہیں۔

اسلام کسی کو اپنی مصنوعات بازار میں لانے اور ان کی طرف لوگوں کو راغب کرنے

سے ہرگز نہیں روکتا لیکن یہ پابندی ضرور لگاتا ہے کہ ترغیبات (Motivations) ایسی

ہوں کہ جس سے لوگ فضول خرچ نہ بنیں اور ان میں اشیاء کو بغیر ضرورت استعمال کرنے کی

خواہش نہ پیدا ہو۔ اسی طرح تدلیس (deception) اور خلابہ بھی جائز نہیں۔ تدلیس

کے معنی کسی شے کے عیب کو چھپانا اور اس کی بے جا تعریف کرنے کے ہیں جبکہ خلابہ کے معنی

اپنی چرب زبانی اور چالاکی سے کسی کو بیوقوف بنانے کے ہیں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مارکیٹنگ

میں پورا زور انہی باتوں پر دیا جاتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں خریداری کرتا ہوں تو اپنی سادگی کی بنا پر فروخت کنندہ

کی چرب زبانی سے متاثر ہو جاتا ہوں اور مال خرید کر اکثر دھوکہ کھا جاتا ہوں تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب جب کبھی تم خریداری کرو تو یہ کہہ دیا کرو کہ لاخلابة ولی الخیار

باللہ یعنی دھوکہ نہیں ہے اور مجھے تین دن تک مال کو واپس کرنے کا اختیار ہے۔

تاجروں کو یہ سوچنا چاہئے کہ مارکیٹنگ میں غیر شرعی اور اچھے ہتھکنڈوں سے ان

کی مصنوعات تو فروخت ہو جاتی ہیں لیکن اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ناراض ہو جاتا ہے اور برکت ختم ہو جاتی ہے اور ان کا ناجائز حربوں سے کمایا ہوا نفع ڈاکٹروں

اور اسپتالوں کی نذر ہو جاتا ہے یا اولاد کی آوارگی و عیاشی اور اخلاقی بربادی کا سبب بنتا

ہے۔ ایسے ہی تاجروں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے

دن وہ گناہ گار کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مارکیٹنگ میں غیر شرعی

امور سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے، (امین)۔

حدیث نمبر: 14

سودے پر سودا کرنے اور نجش (دھوکہ) کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ لَا يُتَلَقَّى
الرُّكْبَانُ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِعُ حَاضِرٌ
لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْأَبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنْ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ
أَنْ يَحْلُبَهَا إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ
ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لئے آگے جا کے نہ ملو، اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کی بیع (خرید و فروخت) کا معاملہ طے ہونے یا ختم ہونے تک اس چیز کی خریداری کا معاملہ نہ کرے، کیونکہ سابق خریدار زیادہ قیمت دینے پر برا بیگنہ ہوگا اور شہری تاجر دیہاتیوں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں اور (بیچنے کے لئے) اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں (دو تین وقت) کا دودھ روک کر نہ چھوڑا جائے۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے، اگر پسند ہو تو اپنے پاس رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کر دے اور (جانور کے مالک کو) ایک صاع (تقریباً ساڑھے چار کلوگرام) کھجوریں بھی دے دے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ و سومه علی سومه و تحریم النجش و تحریم التصریہ، رقم الحدیث: 3890)

تشریح:

درج بالا حدیث مبارک میں دراصل خرید و فروخت میں پائی جانے والی کئی خرابیوں کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے چند خرابیوں پر پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ یہاں صرف حدیث میں مذکور دو خرابیوں **سوم علی سوم الغیر** اور **نجش** کی وضاحت کی جائے گی، کیونکہ ہمارے بازار ان دو خرابیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ سوم عربی زبان میں سودے کو کہتے ہیں۔ لہذا **سوم علی سوم الغیر** کے معنی ”کسی کے سودے پر سودا کرنے (bargaining)“ کے ہیں۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان سودے کی خریداری پر بھاؤ تاؤ ہو رہا ہو یا فروخت کنندہ چیز کو کسی ایک قیمت پر فروخت کرنے پر راضی ہو جائے، تو عین اُس وقت کوئی تیسرا شخص فروخت کنندہ سے یہ کہے کہ میں یہ چیز تم سے زیادہ قیمت پر لے لوں گا لہذا مجھے فروخت کر دو۔ حالانکہ اُس کا مقصد شے کو خریدنا نہیں بلکہ سودا کو خراب کرنا یا چیز کی قیمت کو بڑھانا ہے۔ حدیث مبارک میں اس عمل کے لئے **سوم علی سوم اخیہ** کے الفاظ بھی آئے ہیں، جس کے معنی اپنے بھائی کے ”سودے پر سودا کرنے“ کے ہیں۔ بعض فقہاء کرام نے **سوم علی سوم الغیر** اور **سوم علی سوم اخیہ** کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ **سوم علی سوم الغیر** میں تیسرے شخص کی طرف سے مداخلت سودا مکمل ہونے سے پہلے ہوتی ہے جبکہ **سوم علی سوم اخیہ** میں مداخلت سودا مکمل ہو جانے کے بعد ہوتی ہے۔ شرعی نقطہ نگاہ سے یہ دونوں ہی درست نہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر اس عمل کی ممانعت ارشاد فرمادی ہے۔ لیں دین کا اخلاقی اصول یہ ہے کہ جب تک فریقین حتمی فیصلہ نہ کر لیں، اُس وقت تک کوئی تیسرا شخص اُن کے درمیان مخل نہ ہو، چاہے اُس کی نیت فی الواقع لینے ہی کی ہو پھر بھی وہ دخل اندازی نہیں کر سکتا بلکہ آزادی کے ساتھ انہیں

بھاؤ تاؤ کرنے کا موقع دے۔ فقہاء کرام نے سوم علی سوم الغیر کی ایک صورت یہ بھی لکھی ہے کہ بھاؤ تاؤ کے بعد خریدار کسی قیمت پر شے لینے پر راضی ہو گیا ہو اور پھر کوئی اور شخص وہی چیز طے شدہ قیمت سے کم پر دینے کی پیشکش کر دے تاکہ پہلا سودا ختم ہو جائے۔ یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

بعض بڑے تاجر حضرات بازار میں اپنی اجارہ داری (monopoly) قائم کرنے کے لئے اس طرح سودے پر سودا کرتے ہیں، چھوٹے اور نئے تاجر جب کسی کاروباری ادارے سے مال خریدنے کے لئے سودا کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت بڑے مالدار تاجر اس کاروباری ادارے کو زیادہ رقم پر مال خریدنے کی پیشکش کر دیتے ہیں اور زیادہ قیمت دے کر معاہدہ منسوخ کر دیتے ہیں تاکہ چھوٹے اور نئے تاجر اپنے کاروبار کو جاری نہ رکھ سکیں اور بازار سے نکل جائیں اور پھر بعد میں یہی بڑے تاجر لوگوں سے اپنی چیزوں کی من مانی قیمت وصول کر کے صارفین کا استحصال کریں۔ اسلام نے ہر ایک تاجر کو آزادی کے ساتھ بازار میں کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے۔ کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ اونچھے ہتھکنڈوں سے اپنے مسلمان بھائی کو کاروبار کرنے سے روکے۔ یہ کاروباری اخلاقیات کی بھی خلاف ورزی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت میں ہے کہ وہ نئے تاجروں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے اور ان کے لئے راہیں ہموار کرتے تاکہ انہیں کاروبار میں نقصان نہ ہو۔

خرید و فروخت کی طرح اجارہ یعنی کرایہ داری کے معاملے میں بھی یہ صورت پائی جاتی ہے اور یہاں بھی یہ ناجائز ہے۔ مثلاً کسی دو شخص کے درمیان کسی چیز کو کرائے پر لینے دینے کی بات چل رہی ہے اور اسی دوران کوئی تیسرا شخص مالک کو زیادہ کی پیشکش کر دے یا کرائے پر لینے والے کو اپنی چیز اس سے کم کرائے پر دینے کا کہہ دے تو شرع میں اس کی

اجازت نہیں۔ بعض اوقات ملازم رکھتے وقت بھی یہ صورت حال نظر آتی ہے کہ ایک شخص کسی دوسری جگہ اچھا بھلا کام کر رہا ہوتا ہے اور کوئی دوسرا ادارہ اُسے توڑنے کے لئے زیادہ رقم کی پیشکش کر دیتا ہے، اس طرح آپس میں زنجشیں بھی بڑھتی ہیں اور بازار میں رائج اجرت کو مقرر کرنے کا طریقہ کار بھی متاثر ہوتا ہے۔

نجش عربی زبان میں دھوکہ دینے، یا کسی چیز کی بے جا تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ فقہی اعتبار سے اس کا معنی کسی چیز کو فروخت کرنے کی غرض سے اُس کی اس قدر تعریف کی جائے کہ خریدنے والا سمجھے کہ بس یہ اُس کی ضرورت ہے اور خریدنے پر مجبور ہو جائے۔ ایک معنی یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی قیمت اس قدر بڑھا دینا کہ سادہ لوح لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ یہ چیز واقعی میں بہت اہم ہے، اسی وجہ سے اس کی قیمت اتنی زیادہ ہے۔ آج کل مختلف مصنوعات کی جو مارکیٹنگ ہو رہی ہے، وہ اسی تعریف میں آتی ہے۔ اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر مصنوعات کو فروخت کرنے کے لئے دلاویز، جاذب نظر اور مہنگے اشتہارات دیئے جاتے ہیں۔ مختلف اقسام کی مصنوعات پیدا کرنے والی کمپنیاں اپنی معیاری وغیر معیاری مصنوعات کو فروخت کرنے کی خاطر قوم کے اخلاق و کردار کی تباہی کا سودا کر رہی ہیں۔ اکثر کمپنیاں اپنی مصنوعات کی مارکیٹنگ کے لئے ایسے نفسیاتی حربے استعمال کر رہی ہیں، جن سے انہیں تو فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن عام لوگوں کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔ جھوٹ، دھوکہ دہی اور فریب معاشرے میں ان اشتہارات کے ذریعے پھیل رہے ہیں۔ آج کمپنیاں خواتین کے نیم برہنہ جسم کی نمائش، اُن کی صنفی کشش کے ابھار اور اشتہاء انگیز ناز و ادا کے ذریعے اپنے خریداروں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اور اس دوز میں موبائل کمپنیز سے لیکر کپڑے کی مصنوعات سے تعلق رکھنے والی تمام کمپنیاں شامل ہیں۔ تف ہے اُن ٹیکسٹائل کمپنیوں کے اشتہارات پر جو لباس کے اشتہار میں نیم برہنہ

لڑکیوں کو استعمال کر کے انسانیت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آج قوم سے کثیثیت مجموعی حیا ختم ہو چکی ہے، کیونکہ حیا ہوتی تو یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا کہ اگر تم میں حیا نہیں تو جو جی میں آئے کرو۔ اور ہم واقعی بے حیائی میں مبتلا ہو کر سب کچھ کر رہے ہیں۔ موبائل فون کے اشتہارات کے نام پر قوم کے لڑکے اور لڑکیوں کو بے حیائی کے اندھے کنویں (blind well) میں دھکیل رہے ہیں، کوئی اشتہار ایسا نہیں جس میں صنفِ نازک کو استعمال نہ کیا جا رہا ہو، مختلف قسم کی کریموں اور صابن سے لے کر موٹر سائیکل اور دوایوں کے اشتہارات تک میں عورتوں کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ الغرض ہمارے ملک میں میڈیا عورتوں کی نمائش اور ان کے ذریعے فحاشی و عریانیت پھیلانے کا ذریعہ بن چکا ہے۔ ان اشتہارات سے ایک طرف قوم میں بے حیائی پھیل رہی ہے تو دوسری طرف مصنوعات پیدا کرنے والی کمپنیاں اشتہارات کے خطیر اخراجات کو مصنوعات کی قیمت میں شامل کر کے ان کا بوجھ بھی صارفین پر ڈالتی ہیں، جس کی وجہ سے مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اس طرح کی فحاشی و عریانیت پر مبنی اشتہارات نہ صرف شرعی اعتبار سے قابلِ مذمت ہیں بلکہ آئین پاکستان کی دفعہ 19، 31 کی شق 2 (ب) اور 37 کی شق (ز) کی رو سے خلافِ قانون ہیں۔ قارئین کی معلومات میں اضافے کے لئے یہاں آئین کی مذکورہ دفعات کا اردو متن درج کیا جا رہا ہے:

”اسلام کی عظمت یا پاکستان یا اس کے کسی حصہ کی سالمیت، سلامتی یا دفاع، غیر ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات، امن عامہ، تہذیب یا اخلاق کے مفاد کے پیش نظر یا تو بین عدالت، کسی جرم کے ارتکاب یا اس کی ترغیب سے متعلق قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں کے تابع پر شہری کو تقرر یا اور اظہار خیال کی آزادی کا حق ہوگا، اور پریس کی آزادی ہوگی،“ (www.na.gov.pk/publications/constitution.pdf)۔ نہ

صرف آئین کی دفعہ نمبر 19 کے تحت میڈیا کے ذریعے فحاشی و عریانیت کو عام کرنا ملکی قانون کی خلاف ورزی اور آئین کی توہین ہے بلکہ آئین کی دفعہ 31 کی شق 2 (ب) اور دفعہ نمبر 37 کی شق (ز) کے تحت بھی قابلِ تعزیر جرم اور بار بار کرنا بغاوت ہے۔ آئین میں پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں مملکت کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے دفعہ نمبر 31 کی شق 2 (ب) میں یہ درج ہے کہ:

”اتحاد اور اسلامی اخلاقی معیاروں کی پابندی کو فروغ دینا“۔

اور دفعہ نمبر 37 کے عنوان ”معاشرتی انصاف کا فروغ اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ“ کے تحت اس کی شق (ز) میں مملکت کی درج ذیل اہم ذمہ داری کو بیان کیا گیا ہے:

”عصمت فروشی، قمار بازی اور ضرر رساں ادویات کے استعمال، فحش ادب اور اشتہارات کی طباعت، نشر و اشاعت اور نمائش کی روک تھام کرے گی۔“

– (www.na.gov.pk/publications/constitution.pdf)

جدید مارکیٹنگ زیادہ تر دھوکے پر مبنی اصول پر چل رہی ہے جبکہ دین میں ایسی مارکیٹنگ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب کچھ نجش میں شامل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش کو ناجائز قرار دیا۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ نجش دراصل سود خور ہے کیونکہ دھوکہ کے ذریعے سے جو زائد رقم وہ لیتا ہے، وہ حقیقت میں بغیر کسی عوض کے ہوتا ہے لہذا یہ سود کی مانند ہو گیا کہ اس میں بھی زائد رقم بغیر عوض کے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش کی خرید و فروخت سے منع کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک یہ بھی ہے کہ تم ایک دوسرے سے نجش نہ کرو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نجش صرف فروخت کنندہ کی جانب سے نہیں ہوتا بلکہ یہ خریدار سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بہت سارے

خریدار مل کر کسی شے کی قیمت کو دھوکے کے ساتھ اس طرح گھٹادیں کہ فروخت کنندہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی شے کم قیمت میں فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ صورتِ حال عام طور پر اسٹیٹ ایجنٹ کے کاروبار میں نظر آتی ہے۔ جہاں ایجنٹ انتہائی چالاکی سے اشیاء کی قیمتوں پر اثر انداز ہو جاتا ہے۔

دھوکہ دہی پر مبنی آج کی جدید تجارت کو دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ تاجر قیامت کے دن فاجر و فاسق کی حیثیت سے اٹھیں گے، کا مطلب کیا ہے؟ دھوکہ دہی سے کاروبار کرنے والے مسلمان تاجر! ذرا سوچیں تو صحیح کہ وہ کیا کر رہے ہیں، تھوڑے سے دنیاوی نفع کی خاطر دنیا میں رسوائی اور آخرت کا عذاب خرید رہے ہیں۔ ذہن میں رکھیں کہ قرآن مجید نے فحاشی و عریانیت کے پھیلاؤ کو شیطانی عمل قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو جو فحاشی و عریانیت معاشرے میں پھیلاتے ہیں، انہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ دردناک عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔ آئیے تجارت کو اسلامی اصولوں کے مطابق کریں، اس سے نہ صرف کاروبار میں برکت ہوگی بلکہ آخرت کی کامیابی بھی حاصل ہوگی۔

حدیث نمبر: 15

عیب (defect) ظاہر کئے بغیر چیز فروخت کرنے والے کی مذمت و سزا

عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يَبِينْهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللَّهِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ

ترجمہ:

حضرت وائلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کوئی عیب دار چیز کسی کے ہاتھ

فروخت کی اور خریدار پر عیب کو ظاہر نہیں کیا تو اُس پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا غضب رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہمیشہ اُس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

تخریج: (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من باع عیبا فلیینہ، رقم الحدیث: 2332)

تشریح:

دھوکہ ایک ایسا قبیح اور ناپسندیدہ عمل ہے، جسے ہر صورت میں اسلام نے ناجائز و حرام قرار دیا ہے اور اس کے کرنے والوں کی شدید الفاظ میں مذمت بیان کی ہے۔ ویسے تو دھوکہ زندگی کے کسی بھی معاملے میں جائز نہیں لیکن دین اور خرید و فروخت کے معاملے میں خصوصیت کے ساتھ اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ زیر مطالعہ حدیث مبارک بھی دراصل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ فروخت کنندہ اپنے خریدار کی کم علمی اور سادہ پن سے فائدہ اٹھا کر اور اس خوف سے کہ اگر اصلیت خریدار کو بتادی جائے تو وہ مال نہیں خریدے گا، اپنی ناقص اور عیب دار چیز فروخت کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے خریدار کو نہ صرف مالی نقصان بلکہ ذہنی کوفت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ اسلام کا یہ بنیادی اصول ہے کہ لا ضرر ولا ضرار یعنی نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ ہی کسی سے نقصان اٹھاؤ۔ اور چونکہ کسی شے کے عیب کو ظاہر کئے بغیر فروخت کرنا دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے لہذا اسے ناجائز قرار دیا گیا اور ایسا کرنے والے کو یہ وعید سنائی گئی کہ اُس پر اللہ تعالیٰ غضب فرماتا رہے گا اور ایسے شخص پر حق تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی لعنت برسی رہے گی۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر تازیانہ اور کیا ہوگا کہ اُس کا رب اُس سے ناراض ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ناراضی اور غضب سے محفوظ و مامون فرمائے، (امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا کہ ایک

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لہذا جب کوئی مسلمان اپنے بھائی سے کوئی عیب دار چیز فروخت کرے تو عیب ظاہر کئے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلے کی ڈھیری کے پاس سے گزرے تو اُس ڈھیری میں آپ نے ہاتھ ڈالا تو اُس میں تری محسوس کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کنندہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بارش کے پانی سے بھیک گئی ہے۔ اس پر رسول پاک نے ارشاد فرمایا کہ پھر تم نے اسے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ دیکھ لیتے، سن لو کہ جو کسی کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مال تجارت میں کسی قسم کا عیب ہو، تو فروخت کنندہ پر یہ واجب ہے کہ وہ خریدار کو اُس عیب سے آگاہ کر دے اور اُس کا چھپانا ناجائز و حرام ہے۔ لہذا اگر فروخت کنندہ دھوکہ دینے میں کامیاب بھی ہو گیا تو اس تجارت سے حاصل کردہ منافع اُس کے لئے حلال و طیب نہیں ہوگا بلکہ حرام شمار کیا جائے گا، جس کی وجہ سے دنیا میں برکت ختم ہو جائیگی اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

کاروباری نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو دھوکہ دینا خود فروخت کنندہ کے لئے ہی نقصان دہ ہے۔ کیونکہ وہ کسی کو چند مرتبہ ہی دھوکہ دے سکتا ہے اور بالآخر خریدار جب اُس کی دھوکہ دہی سے واقف ہوتا ہے، تو پھر نہ صرف فروخت کنندہ شرمندہ ہوتا ہے بلکہ مارکیٹ میں اُس کی نیک نامی متاثر ہوتی ہے اور خریدار آئندہ کے لئے اُس سے معاملہ کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ لہذا اُسے تھوڑے سے وقتی فائدے کے عوض ہمیشہ کا نقصان مل جاتا ہے۔

عقل مند تاجر وہ ہوتا ہے، جو پائیدار فائدے کو وقتی فائدے پر ترجیح دیتا ہے۔

فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اپنی کسی شے کو اُس کے عیب

کو ظاہر کئے بغیر فروخت کر دیا تو عیب کے ظاہر ہونے کے بعد خریدار کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو اسی قیمت پر مال رکھ لے یا پھر وہ مال واپس کر کے اپنے پیسے واپس لے لے۔ خریدار کے اس اختیار کو اصطلاح میں ”خیار عیب (option of defect)“ کہا جاتا ہے۔ اس کی مکمل تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ یہاں چند اہم اور بنیادی معلومات فراہم کی جا رہی ہے کیونکہ اکثر مسلمان شریعت کی طرف سے دی گئی اس رعایت کا کچھ علم نہیں رکھتے لہذا اس کی وجہ سے کئی مسائل جنم لیتے ہیں۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ شے میں وہ نقص یا عیب خرید و فروخت کے معاہدے کے وقت موجود ہو یا معاہدے کے بعد خریدار کے قبضہ کرنے سے پہلے پیدا ہوا اگر قبضے کے بعد پیدا ہوتا تو پھر خریدار کو سودا منسوخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۲۔ اسی طرح خریدار کے قبضہ کرنے کے بعد بھی وہ عیب باقی رہے اگر قبضے کے بعد عیب ختم ہو گیا تو پھر خیار (option) حاصل نہ ہوگا۔

۳۔ خریدار کو قبضہ کے وقت عیب کا علم نہ ہو، اگر عیب جاننے کے باوجود قبضہ لے لیا تو خیار عیب حاصل نہ ہوگا۔

۴۔ فروخت کنندہ (seller) نے عیب سے برأت نہ کی ہو، اگر اس نے کہہ دیا کہ میں اس کے کسی عیب کا ذمہ دار نہیں تو خیار ثابت نہیں۔

خرید و فروخت کے معاملے میں فریقین کو ہر قسم کی دھوکہ دہی اور نقصان سے بچانے کے لئے شریعت نے خیار عیب کے علاوہ کچھ اور بھی خیار دیئے ہیں، جن کو اختصار کے ساتھ تحریر کیا جا رہا ہے:

خیار شرط (optional condition): اصطلاح شرع میں خیار شرط سے مراد یہ ہے کہ فروخت کنندہ اپنی کوئی شے اس شرط پر بیچے یا خریدار اس شرط پر خریدے کہ مجھے

اختیار ہے کہ معاملے کو قائم رکھوں یا فسخ (cancel) کر دوں۔ فریقین کا یہ اختیار ”خیار شرط“ کہلاتا ہے۔ اس میں اختیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے اور کم سے کم کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس مدت کے اندر ایک یا دونوں (جسے خیار حاصل ہے) معاملہ خرید و فروخت کو منسوخ (Cancel) کر سکتے ہیں، جبکہ مقررہ مدت گزر جانے کے بعد معاملہ لازم ہو جاتا ہے اور فریقین میں سے کسی کے پاس معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ خیار شرط کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ عقد (contract) کے وقت ہی خیار کا ذکر کیا جائے بلکہ عقد کے مکمل ہو جانے کے بعد بھی دونوں نے یا کسی ایک نے خیار کا کہہ دیا تو خیار حاصل ہو جائے گا۔ البتہ عقد کے منعقد ہونے سے پہلے خیار کی شرط لگانا باطل ہے۔

صاحب ہدایہ نے خیار شرط کے جواز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی حدیث سے دلیل دی ہے کہ حضرت حبان بن منقذ بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرید و فروخت کے معاملات میں (اپنی ذہنی کمزوری کی وجہ سے اکثر) نقصان اٹھالیا کرتے تھے، لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ جب کبھی بھی تم خرید و فروخت کا معاملہ کرو، تو کہہ دیا کرو کہ میری طرف سے دھوکا نہیں ہے یا میرے ساتھ دھوکا نہ کیا جائے اور مجھے تین دن تک خیار حاصل ہے، (ہدایہ اخیرین، جلد دوم، باب خیار الشرط)۔ اس حدیث مبارک سے نہ صرف خیار کے جواز بلکہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بھی پتا چلتا ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: الخیار ثلاثة ایام یعنی خیار (option) تین دن تک ہے، (کنز العمال، باب بیع الخیار، جلد دوم صفحہ نمبر ۲۱۱)۔

خیار رویت (option to inspect): خیار رویت سے مراد یہ ہے کہ اگر خریدار کسی چیز کو بغیر دیکھے خرید لے اور یہ شرط عائد کرے کہ دیکھنے کے بعد اگر مال پسند نہ آیا تو وہ

نہیں خریدے گا، خریدار کے اس اختیار کو ”خیار رویت“ کہتے ہیں۔ خیار رویت کے لئے کسی وقت کی تحدید نہیں ہے، بلکہ خریدار جس وقت دیکھے گا، اسے فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن ایک مہتابہ رضامندی یا مال پر تصرف کے بعد خریدار کا یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من اشترى شيئاً لم يرهُ فهو بالخيار اذ راه ان شاء أخذه و ان شاء تركه ترجمہ: ”جس نے ایسی چیز خریدی، جسے دیکھا نہ ہو، تو دیکھنے کے بعد اسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے یعنی سودا نافذ کر دے یا فسخ کر دے“ (سنن دارقطنی: 6/3، سنن بیہقی: 268/5)۔“

خیار وصف (option for description): اگر فروخت کنندہ نے اپنی شے کسی سے فروخت کرتے وقت بیع (commodity/object) کی خصوصیات بیان کیں اور بعد میں وہ خصوصیات بیع میں نہ پائی جائیں تو خریدار کو اختیار ہے کہ وہ معاہدہ فسخ کر دے، خریدار کے اس اختیار کو ”خیار وصف“ کہتے ہیں۔ مثلاً کسی نے اپنی گائے بیچی اور کہا کہ یہ دودھ دیتی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے یا کسی نے رات کے وقت کوئی چیز فروخت کی اور کہا کہ اس کا رنگ سبز ہے، صبح معلوم ہوا کہ رنگ سرخ ہے تو ان صورتوں میں مشتری بیع واپس کر سکتا ہے۔

حدیث نمبر: 16

غیر موجود چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أْبَيْعَ مَا لَيْسَ عِنْدِي

ترجمہ:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے، میں اُس کی فروخت کا کسی سے معاملہ کروں۔

تخریج: (جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع مالیس عندک، رقم

الحدیث: 1278)

(مسند امام احمد بن حنبل، مسند حکیم بن حزام، رقم الحدیث: 15707)

تشریح:

اس حدیث مبارک میں خرید و فروخت کا ایک اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جا رہی ہے، اُس کا وجود معاہدے کے وقت پایا جانا ضروری ہے۔ کوئی بھی ایسی شے جو ابھی پیدا نہیں ہوئی یا جس کا وجود نہیں ہے یا جو دو تو ہے لیکن اُس پر قبضہ دینا ممکن نہیں، اُسے فروخت کرنا منع ہے۔ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ غیر موجود شے یا ناقابل قبضہ شے کو فروخت کرنے کی وجہ سے فریقین کے درمیان مستقبل میں تنازع پیدا ہو سکتا ہے لہذا شریعت نے خرید و فروخت میں ایسے تمام معاملات سے روک دیا ہے۔

اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عمومی حدیث بھی اہم ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر (uncertainty) کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غرر سے کیا مراد ہے، اس میں کون کون سے صورتیں شامل ہیں وغیرہ۔ غرر دراصل عربی میں دھوکہ، غیر یقینی کیفیت اور خطرے کو کہتے ہیں اور جب اس کا استعمال خرید و فروخت کے معاملے میں کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ہر وہ معاملہ ہے جس میں دھوکے کا عنصر موجود ہے اور جس کی وجہ سے فریقین میں سے دونوں یا کوئی ایک

غیر یقینی کیفیت یا پوشیدگی سے دو چار ہو جائے یعنی اُسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اس معاملے کا نتیجہ کیا آنے والا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں غرر یعنی غیر یقینی صورتِ حال پر مبنی خرید و فروخت کی مختلف صورتیں رائج تھیں۔ مثلاً جانور کے پیٹ میں بچے کو پیدائش سے قبل بیچ دینا، درخت میں پھل کے آنے سے پہلے فروخت کر دینا، سامانِ تجارت کو صرف چھو دینے سے مال کا فروخت ہو جانا، دودھ دینے والے جانور کا دودھ دوہنے سے پہلے فروخت کرنا، اور ناپ تو ل کے بغیر صرف اندازے سے شے کو فروخت کرنا وغیرہ۔ چونکہ ان تمام معاملات میں غرر موجود ہے مثلاً پہلی صورت میں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہوگا یا مردہ، اسی طرح درخت میں اس سال پھل آئے گا بھی یا نہیں اور اگر آئے گا تو اُس کی مقدار کتنی ہوگی، اسی طرح جس مال کو خریدار نے ہاتھ لگایا ہے وہ ناقص ہے یا درست وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں فریقین کے درمیان تنازع کا پیدا ہونا یقینی ہوتا ہے لہذا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت کی ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دے دیا۔

فقہاءِ اُمت نے درج ذیل غرر کی موجودگی میں بھی خرید و فروخت کو ناجائز قرار

دیا ہے:

(1) شے کی جنس کے بارے میں لاعلمی کہ وہ چاول ہے یا گندم، (2) نوع (kinds) کے بارے میں لاعلمی مثلاً وہ باہستی چاول ہے یا عام چاول (3) معیار (quality) کے بارے میں لاعلمی جیسے اعلیٰ معیار کا ہے کہ کم معیار کا (4) مقدار (quantity) کے بارے میں لاعلمی (5) ادھار فروخت (deferred sale) میں ادائیگی کے وقت کے بارے میں لاعلمی وغیرہ۔

عصرِ حاضر میں خرید و فروخت کے متعدد معاملات ایسے ہیں، جن میں غرر پایا جاتا

ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کے درمیان مروج ہیں۔ جیسے فلیٹ کی خرید و فروخت ہے، فلیٹ کے تعمیر ہونے سے پہلے تمام تر تفصیلات کے ساتھ جو آرڈر دیا جاتا ہے، شرعی اعتبار سے یہ استصناع (مال تیار کرنے کا آرڈر) کی صورت ہے، جو شریعت میں جائز ہے۔ لیکن آرڈر کے بعد فلیٹ کو کسی تیسرے شخص کو اس وقت تک فروخت نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ وہ تعمیر نہ ہو جائے اور تعمیر ہو جانے کے بعد اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر پہلا شخص جب فلیٹ کی تعمیر کا آرڈر دے دیتا ہے اور قسط کی ادائیگی شروع ہو جاتی ہے تو چند قسطوں کی ادائیگی کے بعد مارکیٹ میں فلیٹ کی قدر بڑھنے کی وجہ سے زیادہ منافع پر آگے کسی شخص یا ادارے کو فروخت کر دیتا ہے۔ حالانکہ ابھی فلیٹ تیار نہیں ہوا اور اگر ہو گیا تو اس پر قبضہ نہیں ملا لہذا غرر کی موجودگی کی وجہ سے یہ درست نہیں ہے۔

اسی طرح دیہاتوں میں درخت کے پھلوں کو اگلے چار یا پانچ سالوں کے لئے فروخت کرنا عام ہے، یہ شرعاً جائز نہیں۔ بازاروں میں خرید و فروخت اس طرح بھی ہوتی ہے کہ صرف مال کا آرڈر دے کر قبضہ کئے بغیر آگے فروخت کر دیا جاتا ہے اور اس طرح پہلے شخص کے پاس مال کے آنے سے پہلے ہی وہ کتنے لوگوں سے فروخت ہو جاتا ہے۔ اسٹاک ایکسچینج (stock exchange) میں حصص کے لین دین میں بھی شریعت کے اس اصول کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کھیت بٹائی پر اس شرط کے ساتھ دے دیا جاتا ہے کہ کل پیداوار میں سے ایک من یا دو من وغیرہ زمیندار کے ہوں گے باقی کاشتکار کے۔ یہ بھی جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کھیت میں اناج پیدا ہی نہ ہو اور یا صرف ایک من یا دو من ہی پیدا ہو۔ دونوں صورتوں میں کاشتکار کا نقصان ہوگا اور فریقین میں تنازع پیدا ہو جائے گا۔ البتہ اس میں یہ کیا جاسکتا ہے کہ جو بھی پیداوار ہوگی اس میں طے شدہ تناسب یا فیصد سے زمیندار اور کاشتکار حصہ دار ہوں گے۔

حدیث نمبر: 17

حرام اشیاء کی خرید و فروخت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ: إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ

ترجمہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام، رقم الحديث: 4132)

تشریح:

اس حدیث مبارک میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اشیاء کو حرام و ممنوع قرار دیا ہے، ان کی خرید و فروخت بھی حرام و ممنوع ہے۔ حرام اشیاء میں سے خاص طور پر اٰ الخبائث اور تمام برائیوں کی جڑ شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں نہ صرف شراب پینے والے بلکہ اس کے فروخت کرنے والے اور خرید و فروخت کے معاملے میں کسی بھی حیثیت سے شامل ہونے والوں کو بھی وعید سنائی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور وہ (یہ ہیں) شراب نچوڑنے والا، نچروانے والا، پینے والا، اٹھانے والا، جس کے پاس لے جانی جا رہی ہے، پلانے والا، بیچنے والا، اس

کی قیمت کھانے والا، اس کو خریدنے والا اور جس کے لئے وہ خریدی جا رہی ہے، (کتاب البیوع، باب النھی ان یتخذ الخمر خلا)۔

حرام کردہ اشیاء کی تجارت سے روکنے کی متعدد حکمتیں ہو سکتی ہیں، جن میں سے چند ایک قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں:

اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق و مالک ہے لہذا اُسے بخوبی معلوم ہے کہ کن اشیاء میں انسانوں کے لئے فائدے ہیں اور کن میں نہیں؟ لہذا اُس نے اپنے ہر شے کا احاطہ کرنے والے علم سے اپنے بندوں کو نقصان دہ اشیاء کے استعمال سے منع کر دیا۔ اور ان اشیاء کے فروغ کو ختم کرنے کے لئے ان کی خرید و فروخت کو بھی حرام قرار دے دیا۔ کیونکہ اگر ان کی خرید و فروخت کی اجازت دی جاتی تو پھر یہ بازار میں باسانی دستیاب ہوتیں اور ہر ایک کی ان تک رسائی ممکن ہو جاتی۔ حرام اشیاء کی خرید و فروخت کی حوصلہ شکنی کی خاطر ایک اور حدیث مبارک میں تو یہاں تک بتا دیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اُس کی قیمت کو بھی حرام قرار دے دیتا ہے، (احمد، ابوداؤد)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک میں عمل کرتے ہوئے ہر زمانے میں باعمل اور صالح مسلمان حکمرانوں نے حرام اشیاء کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کی خاص طور پر شراب کی خرید و فروخت پر سخت سے سخت قوانین بنائے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دی لیکن آج اُس ملک میں جسے اسلام کے مقدّس نام پر حاصل کیا گیا اور جس کا مطلب ہی لا الہ الا اللہ کے قانون کا نفاذ تھا، اُس میں اس ام الخبائث اور دیگر حرام اشیاء کی خرید و فروخت بلا خوف کی جا رہی ہے۔ پاکستان جس کی آبادی کا کم و بیش 97 فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہے، اس ملک کے آئین میں واضح طور پر یہ درج ہے کہ مملکت میں کوئی بھی ایسے کام کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی، جو شریعت سے متصادم ہو۔ تاریخ کے

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ 1977ء میں ملک بھر میں شراب خانوں اور کلبوں پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود پورے ملک میں سینکڑوں نہیں ہزاروں شراب خانے بلا خوف و خطر لوگوں کے جسموں میں شراب انڈیل رہے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف اسلامی بلکہ ملکی قانون کی کھلم کھلا خلاف ورزی کے مرتکب بھی ہو رہے۔ ملک میں شراب خانوں کے ہونے کا ثبوت روزانہ زہریلی شراب پی کر مرنے والوں سے ملتا ہے۔ چند سال قبل رمضان المبارک جیسے مقدس و مکرم مہینے میں ساٹھ سے زائد لوگ زہریلی شراب پی کر موت کے منہ میں جا پہنچے تھے۔ ”الامان و الحفیظ“ اللہ تعالیٰ ایسی موت سے ہر مسلمان کو محفوظ و مامون فرمائے، (امین)۔

حدیث نمبر 18

بیع سلم (sale on advance payment) اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی ہدایات

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسَلِفُونَ فِي الثَّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ فَقَالَ: مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسَلَفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ (اہل مدینہ) پھلوں میں ایک سال اور دو سال کے لئے بیع سلف کیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کھجور میں سلم کرے تو اسے چاہئے کہ معلوم کیل، وزن اور بیع (subject matter) کی سپردگی (delivery) کا وقت عقد

سلم میں طے کرے (تا کہ بعد میں کوئی نزاع پیدا نہ ہو)۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب السلم، رقم الحدیث: 4202)

(سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی السلف، رقم الحدیث: 3465)

تشریح:

اس حدیث مبارک میں خرید و فروخت کی ایک استثنائی صورت اور اس کے جواز کی شرائط بیان کی جا رہی ہے۔ خرید و فروخت کی اس استثنائی صورت کو ”بیع سلم“ اور ”بیع سلف“ کہا جاتا ہے۔ عام خرید و فروخت میں شرعی اعتبار سے یہ شرط عائد ہوتی ہے کہ معاہدے کے وقت فروخت کی جانے والی شے موجود ہو یعنی کوئی بھی ایسی چیز جس کا وجود نہیں ہے، اُسے فروخت کرنا یا خریدنا جائز نہیں کیونکہ اس میں اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ وہ شے پیدا ہی نہ ہو یا پیدا تو ہو جائے لیکن مقدار میں کم ہو، ان تمام صورتوں میں فریقین کے درمیان تنازع پیدا ہو جانے کا قوی امکان موجود ہے۔ لیکن بیع سلم خرید و فروخت کا ایک ایسا معاملہ ہے، جس کے تحت مستقبل میں پیدا ہونے والی شے کو نقد قیمت پر فروخت کر دیا جاتا ہے اور شے کی حوالگی بعد میں طے شدہ تاریخ پر ہوتی ہے جبکہ معدوم شے کی خرید و فروخت میں پائے جانے والی خرابیوں کو دور کرنے اور مستقبل میں فریقین کو کسی بھی قسم کے تنازع سے محفوظ رکھنے کے لئے شریعت نے کڑی شرائط عائد کر دی ہیں، جن کی پابندی ضروری ہے۔ بیع سلم کا جواز کا ثبوت نہ صرف حدیث مبارک میں ہے بلکہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 282 کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پورے وثوق سے فرمایا کہ قرآن مجید کی سب سے طویل آیت مداینہ (وہ آیت کریمہ، جس میں ادھار معاملات کے بارے میں احکام بیان کئے گئے ہیں) بیع سلم کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

آیت مداینہ ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ (ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو، (سورہ بقرہ، آیت: 282)۔“

زیر مطالعہ حدیث مبارک میں بیع سلم کی مشروعیت کی وجہ اور شرائط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا ہے۔ اس کی مشروعیت کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسان کے پاس زمین ہوتی ہے لیکن کاشتکاری کے لئے اخراجات نہیں ہوتے، اسی طرح کسی کے پاس ہنر تو ہوتا ہے لیکن شے تیار کرنے کے لئے رقم نہیں ہوتی تو شریعت نے اس ضرورت کے تحت بیع سلم کی صورت میں معدوم شے کی خرید و فروخت کی اجازت دے دی تاکہ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے وہ کاروبار زندگی میں دوسروں سے پیچھے نہ رہیں، بلکہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لے کر ملک و قوم کی معاشی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔ بیع سلم کے ذریعے چھوٹے کسانوں اور کاروباری حضرات کو آسان شرائط پر یہ سہولت فراہم کی جاسکتی ہے۔ اس بیع کی وجہ سے نہ صرف تاجروں اور کسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے کہ انہیں پیشگی رقم مل جاتی ہے اور وہ اپنی مطلوبہ اشیاء اس رقم سے حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اس سے خریدار کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ عام طور پر بیع سلم کی صورت میں بیع کی قیمت اس جیسی شے کی بازاری قیمت سے کم ہوتی ہے لہذا خریدار کم قیمت پر اشیاء خرید کر زیادہ منافع حاصل کرتا ہے۔ واضح رہے کہ اگرچہ بیع سلم کی اجازت کسان اور چھوٹے کاروباری حضرات کے فائدے کے لئے دی گئی ہے تاہم اگر دوسرے کاروباری حضرات بھی اس بیع کو کرنا چاہیں تو شرائط کو مد نظر رکھ کر کر سکتے ہیں۔

بیع سلم چونکہ عام بیع سے ذرا مختلف ہے اور اس کی اجازت نظریہ ضرورت و حرج

کے تحت دی گئی ہے، جس کی وجہ سے اس کی درستگی کے لئے شریعتِ مطہرہ نے کچھ کڑی شرائط عائد کی ہیں، جن کو پورا کرنا از حد ضروری ہے اور ان شرائط کی عدم موجودگی میں بیعِ سلم درست نہ ہوگی۔ ذیل میں ان شرائط کو اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے:

(1) بیعِ سلم کی درستگی کی اولین شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ (commodity) کی پوری قیمت معاہدہ کے وقت ادا کی جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ کچھ قیمت معاہدہ کے وقت ادا کر دی جائے اور کچھ بعد میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں بیعِ سلم کا مقصد فوت ہو جائیگا کیونکہ اس کا مقصد چھوٹے کاروباری حضرات کو پیشگی رقم دے کر انہیں کاروبار کرنے کے قابل بنانا ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ فروخت کنندہ کو پیشگی پوری قیمت دے دی جائے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیعِ سلم میں چونکہ مسلم فیہ مستقبل کی کسی تاریخ میں دیا جاتا ہے گویا وہ فروخت کنندہ پر قرض ہوتا ہے لہذا اگر رقم بھی روک لی جائے تو وہ بھی قرض کی صورت میں بعد میں ادا کی جائیگی اس طرح یہ عمل قرض کے بدلے قرض کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو جائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع الدین بالدین (قرض کے بدلے قرض کو فروخت کرنا) سے منع کیا ہے۔

(2) اسی طرح بیعِ سلم کے جائز اور درست ہونے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ مسلم فیہ کی جنس، کوالٹی، نوعیت اور مقدار کا ذکر واضح طور پر معاہدہ میں کر لیا جائے، تاکہ حوالگی (delivery) کے وقت فریقین میں مسلم فیہ کے بارے میں کوئی تنازع پیدا نہ ہو۔

(3) بیعِ سلم کی درستگی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم الیہ (خریدار) کو مسلم فیہ کی سپردگی کے وقت اور مقام کی بھی وضاحت کی جائے کیونکہ اس کے بغیر بیعِ سلم درست نہیں۔

(4) بیعِ سلم صرف مکیلات (ماپ کر بیچی جانے والی اشیاء)، موزونات (وزن کر کے بیچی جانے والی اشیاء) اور مندروعات (گزر کے حساب سے فروخت ہونے والی اشیاء) میں ہو

سکتی ہے۔

(5) بیع سلم کی درستگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ معاہدہ کے وقت سے لے کر سپردگی (delivery) کے وقت تک مارکیٹ میں دستیاب ہو، لیکن یہ احناف کا موقف ہے۔ شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء کرام کے نزدیک صرف سپردگی کے وقت اس کا مارکیٹ میں دستیاب ہونا ضروری ہے۔ علماء معاصرین نظریہ ضرورت کے تحت دوسرے قول پر عمل کرتے ہوئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ مسلم فیہ کا سپردگی کے وقت بازار میں ہونا ضروری ہے۔

۶۔ بیع سلم کے جائز ہونے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ (commodity) کا ثمن (agreed price) مجلس عقد میں ہی ادا کر دیا جائے۔ اگر فریقین ثمن کی ادائیگی سے قبل جدا ہو جائیں تو بیع سلم کا معاہدہ منسوخ ہو جائیگا۔

صاحب ہدایہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے بیع سلم کی شرائط کو جامعیت کے ساتھ ہدایہ میں بیان فرمایا ہے، جن کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے تاکہ تفصیلی شرائط کے ساتھ مختصراً بھی سمجھا جاسکے۔

☆ جنس معلوم ہو جیسے گندم ہے یا جو۔ ☆ نوع (kinds) معلوم ہو جیسے باسستی چاول ہے یا عام۔

☆ صفت (description) معلوم ہو جیسے نیا ہے یا پرانا۔

☆ مقدار (quantity) معلوم ہو جیسے معروف پیمانے سے اتنے کیل یا اس قدر وزن۔

☆ میعاد (time period) معلوم ہو جیسے 13 دسمبر کو مال حوالے کیا جائیگا۔

☆ قیمت معلوم ہو ☆ مقام کا تعین یعنی مال کس جگہ حوالے کیا جائے گا۔

حدیث نمبر 19

استصناع (sale by order to manufacture) کے ذریعے

خرید و فروخت

عَنْ أَبُو حَازِمٍ بْنِ دِينَارٍ أَنَّ رَجُلًا اتَّوَا سَهْلَ بْنَ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ وَ قَدْ امْتَرَوْا فِي الْمِنْبَرِ مِمَّ عُوْدُهُ؟ فَسَأَلُوهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَا عَرِفُ مِمَّا هُوَ وَ لَقَدْ رَأَيْتُهُ أَوَّلَ يَوْمٍ وَضِعَ وَ أَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى فُلَانَةٍ امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ: مُرِي غَلَامَكَ النَّجَّارَ أَنْ يَعْمَلَ لِيْ أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ فَأَمَرْتُهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَأَرْسَلْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ فَأَمَرَ بِهَا فَوَضِعَتْهَا هُنَا ثُمَّ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَيْهَا وَ كَبَّرَ وَ هُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ رَكَعَ وَ هُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرَى فَسَجَدَ فِي أَصْلِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ عَادَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ هَذَا لِتَاتُمُّوا بِيْ وَ لِتَعَلَّمُوا صَلَاتِيْ

ترجمہ:

حضرت ابو حازم بن دینار سے مروی ہے کہ کچھ لوگ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور وہ اس میں بحث کر رہے تھے کہ منبر کون سی لکڑی کا تھا، انہوں نے حضرت سہل سے اس کے متعلق سوال کیا۔ حضرت سہل نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور پہچانتا ہوں، وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا اور بے شک میں نے اس کو دیکھا، جب پہلے دن اس کو رکھا گیا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کے

پاس کسی کو بھیجا۔ سہل نے اُس عورت کا نام لیا (آپ نے اس سے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو حکم دو، جو بڑھئی ہے کہ وہ میرے لئے سیڑھیوں پر مشتمل منبر بنا دے، جس پر میں اُس وقت بیٹھوں، جب میں لوگوں سے کلام کروں۔ اُس عورت نے اپنے بیٹے کو حکم دیا پس اُس نے ساگوان کی لکڑی سے وہ منبر بنا دیا۔ پس اُس عورت نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس کو اس جگہ رکھ دیا گیا، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر پر نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر پر رکوع کیا، پھر آپ منبر سے اتر کر پچھلے پیروں پر لوٹے، پھر آپ نے منبر کی جڑ میں سجدہ کیا، پھر آپ نے اسی طرح (دوسری رکعت پڑھائی) پھر جب آپ نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے، تو آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے لوگو! میں نے یہ نماز اس لئے پڑھائی ہے تاکہ تم میری اقتداء کرو اور تم میرے نماز کے طریقہ کو جان لو۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الخطبة علی المنبر، رقم الحدیث: 917)

تشریح:

درج بالا حدیث شریف سے استصناع کا ثبوت ملتا ہے۔ استصناع کا لغوی معنی ہے: ”کسی چیز کو تیار کرنے کا مطالبہ کرنا“، جبکہ شرعی اعتبار سے استصناع سے مراد خرید و فروخت کا ایسا عقد ہے، جس کے تحت کسی شے کے وجود میں آنے سے پہلے اس کو خرید لیا جائے اور اُس کی تیاری کا آرڈر دے دیا جائے۔ استصناع میں خریدار اپنے فروخت کنندہ کو پہلے سے بیان کردہ خصوصیات کی حامل شے تیار کرنے کا آرڈر دیتا ہے۔ مال کی تیاری سے قبل ہی قیمت کا تعین، صفات و تعداد وغیرہ کا معاہدہ کر لیا جاتا ہے، تاکہ بعد میں فریقین کے درمیان کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔

استصناع چونکہ مستقبل میں تیار ہونے والی شے کی خرید و فروخت کا معاملہ ہے لہذا خرید و فروخت کے عمومی اصول کے تحت اسے ناجائز ہونا چاہئے لیکن شریعتِ مطہرہ نے لوگوں کے تعامل اور استحسان کی وجہ سے بیعِ سلم کی طرح اسے بھی جائز قرار دیا ہے۔ اور باقاعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ فعلی سے یہ ثابت ہے۔ جیسا کہ زیر بحث حدیث مبارک سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگوٹھی مبارک بھی آرڈر دے کر بنوائی یعنی استصناع کے تحت بنوائی۔

بیعِ سلم اور استصناع بنیادی طور پر غیر موجود شے کی خرید و فروخت کا معاملہ ہے لیکن ان میں بنیادی اعتبار سے تین اہم فرق ہیں، ایک یہ ہے کہ سلم میں شے کی پوری قیمت معاہدے کے وقت ہی ادا کرنا ضروری ہے، جبکہ استصناع میں ایسی کوئی شرط نہیں، خریدار چاہے تو جزوی قیمت ادا کر دے اور باقی مال کی حوالگی کے وقت یا جو بھی ادائیگی کا شیڈول (schedule) فریقین میں طے پائے اور چاہے تو پوری قیمت معاہدے کے وقت ادا کر دے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ استصناع ان چیزوں کا ہوتا ہے، جنہیں تیار کیا جاتا ہے مثلاً کرسیاں، عمارت اور جوتے وغیرہ بنوانا۔ جبکہ سلم ہر قسم کی زرعی وغیر زرعی اشیاء میں ہو سکتا ہے۔ البتہ سونا و چاندی میں یہ نہیں ہو سکتا۔ تیسرا فرق ان دونوں کے درمیان یہ بھی ہے کہ سلم کا ایک دفعہ معاہدہ ہو جانے کے بعد فریقین یکطرفہ اسے منسوخ نہیں کر سکتے بلکہ معاہدے کو منسوخ کرنے کے لئے فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے۔ جبکہ استصناع میں معاہدے کے بعد مگر کام کی ابتداء کرنے سے پہلے اسے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ تاہم مال کی تیاری کے شروع ہو جانے کے بعد معاہدے کو منسوخ کرنے کے لئے فریقین کا باہم رضامند ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح استصناع اور اجارۃ الخدمت (service Ijarah) کا فرق بھی

ذہن میں رہنا چاہئے کیونکہ بعض لوگ ان میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ استصناع اور اجارہ

میں فرق یہ ہے کہ استصناع میں صانع (تیار کنندہ manufacturer) کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ مصنوع (مطلوبہ شے manufactured goods) کی تیاری میں استعمال ہونے والی تمام چیزوں کا خود انتظام کرے اور مستصنع (آرڈر دینے والے) سے اُن کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر شے کی تیاری میں استعمال ہونے والے خام مال کی فراہمی کی ذمہ داری صانع پر نہ ہو بلکہ آرڈر دینے والے کی ہو، تو یہ استصناع نہیں بلکہ اجارہ ہوگا۔ مختصراً ان دونوں کا فرق یہ ہے کہ استصناع میں مال کی تیاری اور خام مال کی فراہمی دونوں صانع کی ذمہ داری ہوتی ہے اس کے برعکس اجارہ میں صرف مطلوبہ شے کو تیار کرنا اجیر کی ذمہ داری ہوتی ہے جبکہ تمام ضروری خام مال کی فراہمی آرڈر دینے والے کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس کی مثال درزی سے کپڑے سلوانا ہے کہ کپڑا درزی کا نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اپنی محنت کا معاوضہ لیتا ہے، لیکن اگر کپڑا بھی درزی ہی کا ہو، تو یہ اجارہ نہیں بلکہ استصناع ہے جیسا کہ عام طور پر ویسٹ کوٹ وغیرہ میں ہوتا ہے۔ آرڈر دے کر پکوان سے کھانے کی دیکھیں تیار کرانا بھی استصناع ہی ایک صورت ہے۔

ہمارے ہاں استصناع کی کئی صورتیں مروج ہیں، جن میں آرڈر پر فرنیچر، فلیٹ، مشینری، پلوں اور شاہراہوں وغیرہ کو تیار کرنا ہے۔ یہ سب پوری دنیا میں رائج ہے، جس سے مجموعی طور پر ہر طبقے کے لوگوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ فائدہ پہنچ رہا ہے۔ استصناع صنعت و حرفت کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے، کیونکہ اس طریقہ کار سے پیشگی ادائیگی کی صورت میں خطیر سرمایہ حاصل ہو سکتا ہے، جس سے طویل المعیاد منصوبہ جات شروع کئے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”الفقہ الاسلامی و ادلتہ“ میں رقمطراز ہیں کہ اسلامی فقہ کی تاریخ میں استصناع کا ارتقاء مخصوص ضروریات سامنے آنے کے ساتھ ساتھ ہوا جیسے دستکاری، چمڑے کی مصنوعات، جوتے اور بڑھئی کا کام وغیرہ۔ تاہم

جدید دور میں یہ طریقہ ایسی شکل میں سامنے آیا ہے، جس کی مدد سے مختلف انفراسٹرکچر اور صنعتی ترقی کی تکمیل ہو سکتی ہے جیسے بحری جہاز، طیارے اور دیگر بڑی مشینریاں تیار کرنا۔ چنانچہ مالیاتی منصوبوں کا دائرہ بڑھنے کے ساتھ مینوفیکچرنگ کے عقود بھی نمایاں طور پر سامنے آنے لگے ہیں۔

استصناع کے معاہدے میں صانع کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ مال خریدار کو دیئے گئے معیار کے مطابق ہو اور وہ بروقت تیار کیا جائے۔ عام مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ آرڈر پر مال تیار کرنے والے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ آرڈر لے لیتے ہیں اور بعد میں نہ صرف دوسروں کو بلکہ خود بھی پریشان ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ عمل درست نہیں ہے۔ اسی طرح خریدار پر لازم ہے کہ وہ قیمت کی ادائیگی میں پس و پیش سے کام نہ لے بلکہ معاہدے کے مطابق قیمت کی ادائیگی کرے۔

فلیٹ وغیرہ کے استصناع میں ایک شرعی خرابی نظر آتی ہے کہ فلیٹ کی تعمیر اور اس پر قبضہ لینے سے قبل ہی اسے کسی تیسرے شخص کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یہ ناجائز ہے۔ البتہ حقیقی فروخت (جس میں ایجاب و قبول ہوتا ہے) کرنے کی بجائے، مستقبل میں ملنے والے فلیٹ کو فروخت کرنے کا وعدہ کیا جاسکتا ہے یا الگ سے استصناع کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ الگ سے استصناع کرنے میں یہ خیال رہے کہ دوسرے معاہدے کو پہلے معاہدے سے مشروط کرنا جائز نہیں ہوگا یعنی یہ کہنا کہ اگر مجھے فلیٹ پر قبضہ مل جائے گا تو میں مذکورہ فلیٹ دوں گا، یہ جائز نہیں ہے۔

حدیث نمبر: 20

نیلام (auction/bid) کے ذریعے خرید و فروخت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ جِلْسًا وَقَدْ حَافَقًا مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْجِلْسَ وَالْقَدْحَ؟ فَقَالَ رَجُلٌ أَخَذَتْهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَزِيدُ عَلَيَّ دِرْهَمٍ؟ مَنْ يَزِيدُ عَلَيَّ دِرْهَمٍ؟ فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ فروخت کرنا چاہا تو فرمایا کہ کوئی شخص ہے، جو یہ ٹاٹ اور پیالہ خریدنا چاہے؟ ایک شخص نے کہا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایک درہم سے زیادہ میں خرید سکتا ہے؟ کوئی ہے جو ایک درہم سے زیادہ میں خرید سکتا ہے؟ تو کسی نے ان دونوں چیزوں کے دو درہم دے دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ دونوں (چیزیں) فروخت کر دی۔

تخریج: (جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی بیع من یزید، رقم الحدیث: 1262)

تشریح:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے خرید و فروخت کی ایک جائز صورت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ خرید و فروخت کی اس صورت کو عربی میں ”بیع من یزید یا مزایدہ“ اور اردو میں ”بولی کے ذریعے خرید و فروخت“ کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی چیز

فروخت کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنا سامان کھلے بازار (open market) میں لوگوں کے سامنے رکھتا ہے اور اُس کو خریدنے کی دعوت دیکر بولی لگاتا ہے۔ لوگ مختلف قیمت لگاتے ہیں لہذا جو سب سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہوتا ہے، اُس کو سامان فروخت کر دیا جاتا ہے۔ بولی کے ذریعے خرید و فروخت نہ صرف زمانہ جاہلیت میں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی رائج رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عملی طور پر کر کے اس کے جواز پر ہمیشہ کے لئے مہر تصدیق ثبت فرمادی۔ ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سائل نے جب سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کچھ دینے کے بجائے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو اُس نے عرض کیا کہ جی ہاں! ایک چادر اور ایک رسی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کہا کہ یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ لہذا جب دونوں چیزیں پیش کر دی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ ان دونوں کی کیا قیمت دو گے؟ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ”میں انہیں ایک درہم میں خریدتا ہوں“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اور اس کی قیمت اس سے زیادہ قیمت لگائے گا تو ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں انہیں دو درہم میں لے سکتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دونوں چیزیں دو درہم کے عوض فروخت کر دی۔ اس حکمتِ عملی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو بھکاری بننے سے بچالیا تو دوسری طرف نیلام کے شرعی جواز کو بھی واضح کر دیا۔

اشیاءِ صرف کی نیلامی چونکہ خرید و فروخت کی ایک منفرد صورت ہے لہذا ضروری ہے کہ اس میں کسی کو دھوکہ نہ دیا جائے اور ہر کام ایمانداری کے ساتھ سرانجام دیا جائے۔ کیونکہ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ فروخت کنندہ اشیاء کی قیمت کو بڑھانے کے لئے چند لوگوں کو پہلے سے منتخب کر لیتے ہیں، جن کا مقصد خریدنا نہیں ہوتا بلکہ ہر بولی پر قیمت کو مزید

بڑھانا ہوتا ہے، اس طرح وہ اپنی اشیاء پر بہت زیادہ منافع حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کا عملی مظاہرہ بازاروں اور مارکیٹوں میں جا کر دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر اس طرح بولی دے کر مال فروخت کیا جائے تو دھوکہ دہی اور غبن فاحش (major deception) کے پائے جانے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ بیع من یزید میں موجودہ ان ہی خرابیوں کی وجہ سے لوگوں کا اس طرح کی خرید و فروخت سے اعتماد اٹھ چکا ہے حالانکہ اگر اسے درست طریقے سے کیا جائے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت مبارکہ پر عمل کرنا ہوگا، جو کہ کارِ ثواب ہے۔

جدید کاروبار میں بیع من یزید ٹینڈر (tender) کے ذریعے بھی ہو رہی ہے اور یہ بہت زیادہ عام ہے۔ ٹینڈر کی عام طور پر دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ کسی شے کی فروختگی کے لئے اخبارات اور دیگر ذرائع سے عوام کو شے خریدنے کی دعوت دیتا ہے۔ دعوت ہی میں اس شے کے متعلق مکمل معلومات دے دی جاتی ہے اور ایک تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے کہ فلاں تاریخ تک جس شخص کی طرف سے سب سے زیادہ قیمت کی پیشکش کی جائے گی، شے اسی کو فروخت کی جائیگی۔ یہ تو شے کی فروختگی کا ٹینڈر ہے۔ دوسری قسم میں شے کی خریداری کا ٹینڈر دیا جاتا ہے کہ فلاں شے کی ضرورت ہے، جس کی تفصیلات یہ ہیں۔ فلاں تاریخ تک سب سے کم قیمت پر یہ شے مہیا کرنے والے سے سودا طے کر لیا جائے گا۔ نیلامی یا ٹینڈر کی یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ البتہ یہ خیال رکھا جائے کہ ٹینڈر حقیقی بنیاد پر پیش کیا گیا ہو۔ کئی دفعہ اداروں کے ذمہ داران کی ملی بھگت سے عوام کی محنت و مشقت کے پیسوں کو ہتھیانے کے لئے فرضی ٹینڈر بھی پیش کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بھاری رشوت لے کر اپنے من پسند افراد کو ٹینڈر دے دیا جاتا ہے۔ اور یہ ہمارے ہاں عام ہے۔ لہذا اس طرح کے معاملات پر مبنی ٹینڈر شرعاً جائز نہیں ہوگا اور چونکہ ٹینڈر جائز نہیں ہے تو اس سے حاصل شدہ منافع بھی جائز نہیں ہوگا۔

مروجہ ٹینڈر میں کئی دفعہ شریک ہونے والے افراد سے ضمانت کے طور پر کچھ رقم لی جاتی ہے، یہ زر ضمانت کہلاتی ہے اور یہ جائز ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ جو افراد ٹینڈر لینے میں ناکام ہو جائیں، انہیں ان کا زر ضمانت واپس کر دیا جائے اور جو ٹینڈر لینے میں کامیاب ہو جائیں، ان کا زر ضمانت اصل قیمت میں شامل کر لی جائے۔ زر ضمانت کو ضبط کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ بعض اداروں کی جانب سے یہ کیا جاتا ہے۔

حدیث نمبر: 21

قحبہ گری یا جسم فروشی (Prostitution) کی ممانعت

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَ مَهْرِ الْبَغِيِّ وَ حُلْوَانِ لِكَاهِنٍ

ترجمہ:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتبہ کی قیمت لینے اور زنا کاری کی اجرت سے اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب کسب البغی والاماء، رقم الحدیث: 2282)
(صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن ومهر البغی، رقم الحدیث: 4092)
تشریح:

زمانہ جاہلیت میں پائی جانے والی بے شمار اخلاقی اور معاشرتی برائیوں میں ایک برائی یہ بھی تھی کہ فاحشہ عورتوں کے ذریعے گناہ کے مراکز چلائے جاتے تھے۔ فاحشہ عورتیں شام ڈھلتے ہی بن سنور کراپنے اپنے مرکز پر بیٹھ جاتیں، ہر فاحشہ اپنے مرکز کے اوپر علامت کے طور پر جھنڈے لہرا دیتی اور کھلے عام لوگوں کو دعوتِ گناہ دیتیں اور اس گناہ کے عوض

بھاری رقم لیتی تھیں۔ گویا یہ گناہ ایک نفع بخش کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ یہ بدترین گناہ نہ صرف آزاد عورتیں کیا کرتی تھیں بلکہ اپنے بد باطن اور لالچی آقاؤں کے کہنے پر باندیاں بھی یہ گھناؤنا کاروبار کیا کرتی تھیں۔ ایسی باندیوں کو باقاعدہ الگ جگہیں دی جاتی تھیں، جنہیں وہ مواخیر کہتے تھے اور جہاں باندیاں آزادی کے ساتھ جسم فروشی کے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا کرتی تھیں۔ ہر باندی کا قبضہ خانہ اُس کے آقا کے نام سے موسوم ہوتا۔ اور سب کچھ اُن کے لئے نہ شرم و حیا کے باعث ہوتے اور نہ ہی ان کی وجہ سے اُن کی عزت میں کوئی کمی آتی، بلکہ وہ فخریہ اپنی ایسی باندیوں کا تذکرہ برسرِ محفل کیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اپنی باندیوں پر یہ ذمہ داری عائد کر دی تھی کہ وہ ایک مخصوص رقم ہر صورت میں اپنے آقا کو ادا کریں۔ لہذا ایسی باندیاں مطلوبہ رقم کے حصول کے لئے اس گناہ میں مبتلا ہو جاتی تھیں۔ قرآن مجید میں خصوصی طور پر اُن آقاؤں کے بارے میں آیت کریمہ نازل ہوئی، جو اپنی باندیوں سے یہ بُرا فعل جبراً کرایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تُكْرِهُوا فَتِيكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَعُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ط وَمَنْ يُكْرِهْنَهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ ☆ ترجمہ: اور تمہاری باندیاں اگر پاکدامن رہنا چاہیں تو اُن کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو اُن کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے، (سورہ نور، آیت نمبر: 33)۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ”اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاکدامن ہونے کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان سے یہ پیشہ کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مالک کی طرف سے اِکْرَاه (coercion) کی یہی صورت ہے کہ لونڈی (female slave) کی مرضی نہ ہو وہ اُس سے دور بھاگے لیکن بے غیرت مالک اسے ناجائز و حرام

پیشہ کرنے پر مجبور کرے۔ اس صورت میں ساری ذمہ داری اور سارا گناہ اس کے مالک پر ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے اس فعلِ قبیح کا ارتکاب کرے تو اب جرم اس کا ہوگا اور اس کا گناہ اور اس کی سزا بھی اُسے ہی ملے گی یا اس آیت سے ان مالکوں کو غیرت دلانا مقصود ہے کہ تم سے بڑھ کر بھی کوئی دیوث ہوگا کہ تمہاری لونڈی تو عفت شعار رہنا چاہتی ہے اور تم اسے غلاظت کے اس گڑھے میں پھینکنے پر مصر ہو۔ خود ہی فیصلہ کرو کیا یہ بات تمہیں زیب دیتی ہے؟، (تفسیر ضیاء القرآن، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 323)۔ لہذا لونڈیوں سے زبردستی اور ان کی خوشی دونوں صورت میں ناجائز و حرام ہے۔

یہ قبیح تجارت نہ صرف مکہ مکرمہ میں بلکہ مدینہ منورہ میں بھی عام تھی۔ مدینہ منورہ میں اس کا سب سے بڑا تاجر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا۔ عبد اللہ بن ابی اس کا روبرو سے نہ صرف مالی بلکہ سیاسی فوائد بھی حاصل کیا کرتا تھا۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے، جس کے مزاج ہی میں پاکیزگی اور عفت و حیا کا عنصر موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام معاشرے سے ہر قسم کے ظاہری اور باطنی خباثتوں اور گندگیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا خواہاں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں فحش کاموں اور منکرات کا حکم نہیں دیتا اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ شیطان ہی ہے جو تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور فحش کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلانے والوں کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو اس قسم کی بے حیائی اور منکرات سے روکا۔ قرآن مجید کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ داعیِ اعظم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ نبوت میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور منکرات اور گناہ سے روکیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام میں فحشہ گری جیسے قبیح فعل کے بارے میں ہدایات موجود نہ

ہوں اور وہ ان معاملات سے چشم پوشی کرے۔ لہذا جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معاملات کا مشاہدہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے اس طرح کے تمام کاروبار کو ناجائز و حرام قرار دے دیا۔ جیسا کہ زیر مطالعہ حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر اشیاء کی حرمت بیان کرنے کے ساتھ ہی زنا اور زنا کاری کی اجرت کو بھی حرام قرار دے دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی سلول نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ایک لونڈی معاذہ کے بارے میں کہا کہ اُسے اجازت دی جائے کہ فحشہ گری کا پیشہ اختیار کرے، چونکہ یہ باندی چند یتیموں کی ہے، تو اس سے اُن یتیموں کو مالی اعتبار سے فائدہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹوک الفاظ میں اس سے منع فرما کر ہمیشہ کے لئے اس گندے اور بے حیائی پر مبنی فعل کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند فرما دیا، (تفسیر رازی، ج 23، ص 22)۔

اب تک فحشہ گری کا تذکرہ زمانہ جاہلیت کے تناظر میں ہوا، جہاں تک آج کے روشن خیال اور مہذب معاشرے کا تعلق ہے تو انتہائی افسوس کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نام نہاد مہذب اور تعلیم یافتہ معاشرہ زمانہ جاہلیت سے کچھ کم نہیں ہے۔ پہلے اسے فحشہ گری اور موخر کا نام دیا جاتا تھا اور اب جدید طریقوں سے اسے چلایا جا رہا ہے اور اس دور میں اسے ”ماڈلنگ“، ”آرٹ“، ”کیٹ واک“ اور ”فیشن شو“ کے دلکش اور ہوشربا نام دیئے جاتے ہیں۔ جو گناہ کی طرف لے جانے کے محرک (motivator) ثابت ہو رہے ہیں۔ ملک بھر میں اس کے لائسنس یافتہ مراکز قائم ہیں، قوم کی عورتیں عزت و آبرو کو سر بازار نیلام کرتی نظر آتی ہیں۔ جسمانی نمائش کو ماڈلنگ اور کیٹ واک کہا جاتا ہے۔ آج دنیا میں تہذیب و تمدن کے سرخیل تسلیم کئے جانے والے ممالک میں اس فحشہ عمل کو باقاعدہ

ایک انڈسٹری کی حیثیت حاصل ہے۔ اس فٹیج پٹھے سے وابستہ لوگوں کو معاشرے میں منفرد مقام حاصل ہوتا ہے، انہیں دوسرے ممالک میں سفیر مقرر کر کے ان کی عزت افزائی کی جاتی ہے۔ لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اسلام کی نگاہ میں یہ سب کچھ حرام و ناجائز ہے اور کسی بھی صورت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اسلام صرف بے حیائی اور فحاشی سے نہیں روکتا بلکہ ان اسباب و محرکات سے بھی سختی سے منع کرتا ہے، جنہیں اختیار کرنے کی وجہ سے کوئی بے حیائی اور فحاشی و عریانیت کے دلدل میں گر سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: **وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجِيَّ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا** ☆ ترجمہ: اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بُرا راستہ ہے، (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 32)۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسر کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو بلکہ یہ فرمایا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ یعنی ایسا کوئی کام نہ کرو جو زنا کا محرک اور زنا کا باعث اور سبب بنے مثلاً اجنبی عورتوں سے تعلق پیدا کرنا، ان سے خلوت میں ملاقات کرنا، ان سے ہنسی اور دل لگی کی باتیں کرنا اور ان سے ہاتھ ملانا اور بوس و کنار کرنا مغربی تہذیب میں یہ تمام امور عام ہیں اور زندگی کے معمولات میں داخل ہیں، اسی وجہ سے وہاں زنا بھی عام ہے، (انوار تبیان القرآن، صفحہ نمبر 454)۔

آج لڑکیوں کو ناچ گانے اور آلات موسیقی بجانے کی باقاعدہ تربیت دی جا رہی ہے اور اسے باقاعدہ کاروبار کی حیثیت دے دی گئی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَا تَبِيعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تَعْلَمُوهُنَّ وَتَمْنُهُنَّ حَرَامٌ** ترجمہ: گانا بجانے والی عورتوں کو نہ فروخت کرو اور نہ ہی خریدو نہ انہیں یہ کام سکھاؤ اور ان کی اجرت حرام ہے۔ لہذا نہ صرف قحبہ گری، ماڈلنگ اور کیٹ واک وغیرہ حرام و ناجائز کاروبار ہیں بلکہ ناچ

گانے اور آلات موسیقی کی تربیت کے ادارے قائم کرنا بھی ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ کی دولت عطا فرمائے، (امین)۔

حدیث نمبر: 22

چوری شدہ مال کی خرید و فروخت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ اشْتَرَى سَرَقَةً وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهَا سَرَقَةٌ فَقَدْ اشْرَكَ فِي عَارِهَا وَائْتِمَاطِهَا
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جانتے ہوئے چوری کا مال خریدا تو وہ اُس (چور) کی برائی اور گناہ میں برابر کا شریک ہوا۔

تخریج: (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب البیوع، باب کراہیۃ مباحیۃ من اکثر مالہ من الزبوا او ثمن محرم، رقم الحدیث: 10608)
تشریح:

درج بالا حدیث مبارک میں خرید و فروخت کی ایک اور ناجائز صورت کو بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے چوری کے مال کی خرید و فروخت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ جو شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے، اُسے خرید لیتا ہے تو وہ اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوری، ڈاکے اور غصب شدہ مال کو خریدنے سے سختی سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح جرم کا سد باب ہوگا کیونکہ جب لوگ ایسے مال کو خریدنے سے انکار کر دینگے تو ان کے عدم تعاون کی وجہ سے مجرم کی حوصلہ شکنی ہوگی لہذا ممکن ہے کہ وہ لوگوں کے اس رویے کے پیش نظر اپنے اس ظالمانہ فعل سے باز آجائے۔

چوری شدہ مال پر چونکہ چور کی ملکیت نہیں ہوتی چاہے اُس پر زمانہ بیت جائے لہذا اگر کوئی شخص کسی سے چوری کا مال خریدتا ہے تو اُس شے پر اُس کی ملکیت بھی قائم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس مال سے کسی قسم کا نفع لینا خریدار کے لئے جائز ہوگا۔ ایسے مال کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی نے چوری کا مال خریدا اور اُس کے اصل مالک کو معلوم ہو گیا تو وہ اپنا مال خریدار سے زبردستی لے سکتا ہے اور اُس کی قیمت بھی ادا کرنے کا پابند نہیں۔ خریدار کو چور سے اُس کی رقم مل جائے تو ٹھیک ہے وگرنہ اُس کی رقم ضائع ہو جائے گی۔ اس اُصول کی وضاحت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارک سے بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ وَيَتَّبِعُ الْبَيْعُ مَنْ بَاعَهُ لِعِنِّي جَسَّ ثَخَنٌ نَزَلَ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ مَالِي فَهُوَ أَحَقُّ بِهٖ تَوَهُُّؤُهُ اُس (مال) کا زیادہ حقدار ہے اور چوری شدہ مال خریدنے والا اس شخص کو ڈھونڈے، جس نے اس کے پاس یہ مال بیچا ہے، (مشکوٰۃ المصابیح، ابوداؤد، کتاب البیوع، باب الرجل یبیع السلعة فیستحقها مستحق)۔

ہمارے ہاں چوری کے مال کی خرید و فروخت ایک عام سے بات ہو گئی ہے۔ چونکہ عام طور پر چوری شدہ مال کی فروخت سستے داموں کی جاتی ہے لہذا دولت کے ہوس میں مبتلا لوگ جانتے بوجھتے ایسے مال کو کھلے عام خریدتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ آج ہمارے ملک میں دن دیہاڑے لوگوں کو لوٹ لیا جاتا ہے، کسی سے موبائل فون تو کسی سے لیپ ٹاپ (lap top) اور کسی سے موٹر سائیکل۔ چور جانتے ہیں کہ یہ لوٹی ہوئی اشیاء مخصوص بازاروں میں بڑی آسانی سے فروخت ہو جائیں گی۔ اگر تمام دکاندار حضرات یہ تہیہ کر لیں کہ وہ ہرگز چوری شدہ مال نہیں خریدیں گے تو پھر چوری، ڈاکہ زنا اور ناجائز غصب کا پھیلتا ہوا یہ معاشرتی ناسور بڑی حد تک کم ہو جائیگا۔

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ص وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۷﴾** اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے، (سورہ مائدہ، آیت نمبر 2)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور چوری کے مال کو نہ خریدنا لوگوں کے مال کو محفوظ بنانے میں مدد اور چوروں کے ظلم کے خلاف عدم تعاون ہے۔ لہذا تمام تاجروں کو سوچنا ہے کہ انہیں کس صف میں شامل ہونا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنے اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں رکاوٹ بننے اور معاشرے سے ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (امین)۔

حدیث نمبر: 23

سونے چاندی، کرنسی اور ہم جنس (Homogenous) اشیاء کی

خرید و فروخت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: **الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلِ يَدَا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ وَاسْتَزَادَ فَقَدْ أَرَبَى الْأَخْذَ وَالْمُعْطَى فِيهِ سَوَاءٌ**

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے اور گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے اگر لیا اور دیا جائے تو ان کا لین دین برابر برابر دست بدست ہونا چاہئے، اس میں کمی بیشی (یا ادھار) سود کے حکم میں ہے، جس کے گناہ میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب الصرف و بیع الذهب بالورق نقدا، رقم الحدیث: 4148) تشریح:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج بالا حدیث مبارک میں سود کی ایک اور قسم کو بیان کیا جا رہا ہے اور وہ اجناس کا سود ہے۔ اس قسم کے سود کا ذکر چونکہ حدیث شریف میں ہے، اس لئے اسے ”ربا الحدیث“ یعنی حدیث شریف میں بیان کردہ سود“ کہا جاتا ہے۔ دراصل اس سے مراد وہ زیادتی یا اضافہ ہے، جو ہم جنس و ہم قدر اشیاء کے باہم تبادلے کی صورت میں لی جاتی ہے۔ حدیث مبارک میں مذکور ان چھ اشیاء کو ”اموال ربویہ“ کہا جاتا ہے۔

زیر مطالعہ حدیث شریف میں چھ چیزوں کے بارے میں ذکر ہے کہ ان کی خرید و فروخت کے لئے ضروری ہے کہ وہ دست بدست (on spot) اور برابر (equally) کی بنیاد پر ہو۔ کمی بیشی اور ادھار کی قطعاً کوئی اجازت نہیں۔ دنیا میں کئی معاملات ایسے ہیں، جو بظاہر گناہ کے معاملات نہیں ہیں لیکن اپنی طبیعت اور اصل کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ ان کو کرنے کی وجہ سے انسان کے کسی گناہ میں پڑنے کے مواقع (chances) بڑھ جاتے ہیں لہذا اسلام اپنی فطرتِ سلیم کی وجہ سے نہ صرف بلا واسطہ گناہ سے روکتا ہے بلکہ ان معاملات سے بھی روکتا ہے، جنہیں اختیار کرنے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہونے کے خدشات بڑھ جائیں۔ ہم جنس (homogenous) اور ہم قدر (goods sold by same way) اشیاء کی خرید و فروخت میں ان پابندیوں کو

لگانے کی وجہ سود کا انسداد ہے یعنی سود کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند کرنا ہے اور اس طرح کی اشیاء میں اعلیٰ اور ادنیٰ معیار کے فرق کو بھی حکمت کے تحت نظر انداز کر دیا گیا۔ ہم جنس و ہم قدر اشیاء کے تبادلے میں کمی بیشی کی ممانعت اور نقد کی شرط لگانے کی وجہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت سے بیان فرمادی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے فروخت نہ کرو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم سود خوری میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ برنی کھجوریں (یہ کھجوروں کی اعلیٰ قسم ہے) پیش کیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے لائے ہو، تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ہمارے پاس ردی یعنی کم درجے (low quality) کی دو صاع کھجوریں تھیں، میں نے وہ دو صاع دے کی ایک صاع یہ (برنی) کھجوریں خریدی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ارے یہی تو قطعی سود ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرو، جب تمہیں اچھی کھجوریں (high quality) خریدنا چاہو، تو اپنی کھجوریں درہم یا کسی اور چیز کے بدلے فروخت کر دو اور پھر اس قیمت سے اچھی کھجوریں خرید لو، (صحیح بخاری، کتاب الکفالت)۔ اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم جنس اور ہم قدر اشیاء میں معیار کے فرق کو نظر انداز فرمادیا اور زیادتی کو سود قرار دے دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حدیث شریف میں مذکور ان چھ چیزوں کے علاوہ اشیاء میں بھی آپس میں لین دین کی صورت میں دست بدست (on spot) اور برابر برابر (equally) کی شرط عائد ہوتی ہیں یا نہیں؟۔ لہذا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک ان چھ اشیاء کے علاوہ ان تمام اشیاء کے باہم تبادلے میں بھی یہی حکم لگے گا، جو جنس اور قدر میں مشترک ہوں چنانچہ ہر وہ جنس اشیاء جو باہم ماپ کر یا وزن کر کے فروخت کی جائیں

، اُن میں برابر برابر اور دست بدست کی شرط کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ مثلاً چاول کا تبادلہ چاول کے ساتھ اور گنے کا تبادلہ گنے کے ساتھ وغیرہ کرنے میں یہ اصول ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک ان چھ اشیاء میں جنس کے ساتھ قدر علت مشترکہ ہے لہذا جنس و قدر کی وضاحت قدرے تفصیل سے تحریر کی جا رہی ہے: دو اشیاء کا ہم جنس ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُن دونوں کا ایک نام اور ایک کام ہو جیسے گیہوں (wheat) کی تمام اقسام آپس میں ہم جنس ہیں۔ اسی طرح کھجور کی تمام اقسام لیکن اگر نام و مقصد میں اختلاف ہو تو وہ ہم جنس نہیں جیسے گیہوں، جو، کپڑے اور کھجور وغیرہ یہ سب آپس میں ہم جنس نہیں ہیں۔ اسی طرح لوہا، سیسہ، تانبا اور پتیل وغیرہ بھی ہم جنس نہیں ہیں۔ قدر (value) سے مراد وزن (تولنا) اور کیل (مخصوص برتن سے ماپنا) ہے۔

اگر کسی دو اشیاء میں قدر و جنس دونوں مشترک (same) ہوں تو ادھار اور نقد دونوں صورت میں کمی بیشی حرام و ناجائز ہے اسی کو ”ربا الفضل“ کہتے ہیں۔ مثلاً گیہوں کو گیہوں کے بدلے میں خرید و فروخت کیا جائے تو ادھار و نقد دونوں صورتوں میں کمی بیشی حرام ہوگی کیونکہ یہ دونوں جنس و قدر میں ایک جیسے ہیں۔ اسی طرح اگر دونوں کی جنس ایک ہو تو اچھی کوالٹی یا بری کوالٹی کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ یعنی جب بھی ان کا آپس میں تبادلہ کیا جائے گا تو دونوں کا برابر اور نقد ہونا ضروری ہے۔

اور اگر دونوں یعنی جنس و قدر میں سے کوئی ایک نہ ہو تو پھر نقد کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا لیکن ادھار حرام مثلاً ایک صاع گیہوں کو دو صاع جو کے بدلے میں نقد تو بیچنا جائز ہے کیونکہ ان میں قدر تو مشترک ہے کہ دونوں ماپ کر فروخت کئے جاتے ہیں لیکن جنس دونوں کی ایک نہیں تاہم صورت مذکورہ میں ادھار جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح بکری کے گوشت کا تبادلہ زندہ بکری کے ساتھ کیا جائے تو نقد کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگا کیونکہ ان کی

جنس تو ایک ہے لیکن قدر مشترک نہیں کہ بکری عدوی ہے جبکہ گوشت وزنی ہے۔ تاہم ادھار اس صورت میں بھی جائز نہیں۔ اور اگر دونوں نہ ہوں یعنی جنس و قدر دونوں میں فرق ہو، تو کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جیسے ایک کلو گندم کو دس روپیہ میں خریدے تو یہ جائز ہے کیونکہ ان دونوں میں جنس و قدر دونوں لحاظ سے فرق ہے۔

حدیث نمبر: 24

جوئے کا کاروبار

انَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ بِاللَّاتِ فَلْيُقْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَى أَقَامِرُكَ فَلْيَتَصَدَّقْ

ترجمہ: بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو لات (ایک بت کا نام ہے) کی قسم اٹھائے تو اُسے چاہیے کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ پڑھے اور جو کوئی اپنے ساتھی سے یہ کہے کہ آؤ ہم جو اکھلتے ہیں تو اُسے چاہئے کہ وہ صدقہ کرے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من حلف باللات والعزى فليقل لا اله الا الله، رقم الحديث: 4349)

تشریح:

زیادہ مال حاصل کرنے کی غرض سے دو افراد یا ادارے کا اپنا مال اس طرح داؤ پر لگانا کہ کسی ایک فرد کو پورا مال حاصل ہو جائے اور دوسرے کا نقصان ہو جائے، جو کہلاتا ہے۔ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوئے کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: ”ہر وہ

کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ ناکام ہونے والے کی کوئی چیز کامیاب ہونے والے کو دی جائے گی یہ ”بؤا“ ہے۔ جوئے کو عربی میں ”قمار“ کہتے ہیں۔ جوئے کے معاملے میں ہر شخص نفع و نقصان کے درمیان ہوتا ہے یعنی یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ پورا مال اُسے حاصل ہو جائے اور دوسرا شخص مکمل نقصان میں چلا جائے اور اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوئے کو عربی میں ”الخطارہ یعنی فریقین کا خود کو خطرے میں ڈالنا“ بھی کہتے ہیں اور چونکہ اس سے ایک شخص کو پورا مال بغیر محنت و مشقت کے حاصل ہو جاتا ہے، لہذا اسے ”المیسر“ بھی کہتے ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو اکھیلنا تو دور کی بات ہے، اس کا ارادہ کرنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے اور اُسے کفارہ کے طور پر صدقہ دینا پڑے گا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ”المیسر“ کی حرمت کو بیان فرما کر اسے شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ☆

ترجمہ: اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ ہو جاؤ، تاکہ تم کو فلاح ہو، (سورہ مائدہ، آیت نمبر: 90)۔

جوئے کی بنیاد دراصل دھوکہ دہی، لالچ، حرص اور جھوٹی خواہشات کی تکمیل پر ہے۔ اس سے معاشرے میں باہمی ہمدردی، ایثار و اخوت اور نغمگساری ختم ہو جاتی ہے لہذا شیطان اس کے ذریعے باسانی افراد معاشرہ کے درمیان عداوت و دشمنی پیدا کر کے انہیں آپس میں دست و گریباں کر دیتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے

ہیں۔ اسی کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے دور ہو جاتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنتَهُونَ

ترجمہ: شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیروا دشمنی ڈلوادے، شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے؟، (سورہ مائدہ، آیت: 91)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

”شریعت میں جو اکی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے کسی شخص کو بغیر کسی وجہ سے اس کے مال سے محروم کر دینے کی ایک صورت ہے اور ہارنے والے شخص کا سکوت غصہ اور ناامیدی کے ساتھ ہوتا ہے جو اکیلنے والا سہل پسندی کا عادی ہو جاتا ہے اور کسب معاش کے جائز ذرائع اختیار کرنے اور باہمی ہمدردی و ایثار، جو اسلامی معاشرت کی بنیاد ہے، سے روگردانی کرتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جو خرید و فروخت اور دیگر

کاروباری معاملات میں بیع فاسد کی مختلف صورتوں میں رائج تھا، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان تمام کی سختی کے ساتھ ممانعت ارشاد فرمادی۔ مثلاً بیع ملامہ (Sale by

Touching Subject Matter) خرید و فروخت کا ایسا معاملہ جو صرف خریدار کے

مال کو چھو دینے سے واقع ہو جائے، اُسے ”بیع ملامہ“ کہتے ہیں۔ بیع منابذہ (Sale by

Throwing the Subject Matter) اس معاملے میں میں فروخت کنندہ مال

(Item Sold) کو اپنی جانب سے مقررہ قیمت پر خریدار کی جانب پھینک دے تو اس سے

سودال لازم ہو جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس قسم کی بیع کا رواج عام تھا۔ جب کہ ان دونوں

میں دھوکہ دہی اور جوئے کا عنصر پایا جاتا ہے، لہذا احادیث مبارکہ میں ان دونوں سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح بیع مصرّۃ بھی ہے۔ مصرّۃ کے لغوی معنی ”روکنے اور جمع کرنے“ کے ہیں، جبکہ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری وغیرہ کے تھنوں کو باندھ کر چند دنوں تک ان کا دودھ نہ دوہا جائے، تاکہ جب اس جانور کو بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا جائے تو خریدار اس کے تھن کو دیکھ کر یا دودھ دوہ کر، جو یقیناً اس وقت زائد ہوگا، یہ گمان کرے کہ یہ روزمرہ اتنی ہی مقدار میں دودھ دیتی ہے اور اس طرح فروخت کنندہ کو زیادہ قیمت وصول ہو جائے۔ کسی ایک فریق کے نقصان کا عنصر کے پائے جانے کی وجہ سے اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

عصر حاضر میں بھی جو مختلف ناموں سے ہمارے معاشرے میں کھیلا جا رہا ہے۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ یہ کھیل نہیں بلکہ باقاعدہ ایک کاروبار کے طور پر کیا جا رہا ہے۔ ان کے نام اس قدر پرکشش اور پیشکش اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ سادہ لوح مسلمان اسے جو سمجھتے ہی نہیں اور ایک فائدہ بخش کاروبار سمجھ کر اس میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ ذیل میں جوئے کی رائج الوقت چند صورتیں درج کی جا رہی ہیں، تاکہ انہیں جان کر ان سے بچنا ممکن ہو سکے۔

(1) لاٹری: یہ طریقہ ہمارے ہاں بہت عام ہے کبھی اسے لکی ڈرا کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کے تحت بیش قیمت انعامات کا لالچ کر دے لاکھوں افراد سے معمولی ٹکٹ کے عوض کروڑوں روپے جمع کر لئے جاتے ہیں۔ اور پھر قرعہ اندازی کے ذریعے چند افراد کو کچھ رقم انعام کے طور پر دے دی جاتی ہے۔ انعام یافتہ افراد کے علاوہ باقی تمام لوگوں کی رقم ڈوب جاتی ہے اور اعلان کرنے والا ادارہ بغیر کسی محنت و مشقت کے کروڑوں روپے کمالیتا ہے۔ یہ بھی جو ہی کی ایک قسم ہے، جو شرعی اعتبار سے حرام و ممنوع ہے۔ لہذا اس میں مبتلا تمام اداروں اور

افراد کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے ان سے رک جانا چاہئے۔

(2) پرائز بانڈ کا نمبر (آکڑا): بعض افراد پرائز بانڈ کے نمبرز فروخت کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔ لہذا اگر اُس پرائز بانڈ پر انعام نکل آئے تو انعام نمبر خریدنے والے کا ہو جاتا ہے، بصورت دیگر اُس کا پیشہ ڈوب جاتا ہے، یہ بھی جو ابھی ہے۔ آج کل یہ کاروبار بہت زور و شور کے ساتھ کیا جا رہا ہے اگرچہ یہ قانوناً بھی ممنوع ہیں لیکن بھاری رشوت کے عوض گلی کوچوں اور بازاروں میں کھلے عام ہو رہا ہے۔ راتوں رات امیر ہونے کے لالچ نے کئی گھروں کو برباد کر دیا ہے۔ اس میں ملوث تمام افراد کو چاہئے کہ وہ اس قبیح عمل کو فوراً چھوڑ دے تاکہ دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچ سکے۔

نوٹ: واضح رہے کہ پرائز بانڈ کے نمبر کی خرید و فروخت اور اُس پر حاصل انعام ناجائز ہو حرام ہے لیکن اگر کوئی پرائز بانڈ خریدتا ہے اور اُس پر انعام نکلتا ہے، تو نہ خریدنا حرام ہوگا اور نہ ہی انعام۔ کیونکہ اس پر جوئے کی تعریف صادق نہیں آتی اور وہ اس طرح کہ پرائز بانڈ پر انعام نکلنے یا نہ نکلنے دونوں صورت میں کسی کا مال ڈوبتا نہیں ہے جب کہ پرائز بانڈ کے نمبر پر انعام نہ نکلے تو نمبر خریدنے والے کی رقم ڈوب جاتی ہے اور نکل جائے تو فروخت کرنے والے کو نقصان ہوتا ہے اور یہی جو ابھی ہے۔

موبائل فون اور جوا: آج کل جوئے کی جدید صورت یہ بھی سامنے آئی ہے کہ جب کرکٹ ورلڈ کپ یا دیگر کھیل ہو رہے ہوتے ہیں تو موبائل کمپنی کی طرف سے اپنے صارفین کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ وہ SMS کے ذریعے رائے دیں کہ کون سی ٹیم جیتے گی۔ درست جواب دینے والے کو انعام دیا جائے گا۔ اس رائے دہی میں جو صارف حصہ لیتا ہے، اُس کے بیلنس سے کچھ رقم منہا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رائے دہندگان میں درست جواب دینے والوں میں سے چند کو قرعہ اندازی کے ذریعے انعام مل جاتا ہے اور باقی تمام لوگوں کے پیسے

ڈوب جاتے ہیں۔ لوگ شوق میں اس طرح کے جوے میں مبتلا ہو کر اپنی دنیا اور آخرت خراب کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی اسکیم ٹیلی ویژن پروگراموں کے ذریعے بھی متعارف کرائی جا رہی ہے،

الغرض جو معاشرے میں مختلف ناموں سے سرایت کر چکا ہے، جس کی مشکل سے شناخت ہوتی ہے لہذا ہر باشعور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس طرح کی کسی بھی اسکیم میں حصہ لینے اور ان میں رقم لگانے سے پہلے اُس کے تمام جزئیات کو علماء کرام کے سامنے پیش کرے اور پھر ان کے مشورے پر عمل کرے تاکہ کسی لاعلمی میں کسی ناجائز فعل میں پڑنے سے محفوظ رہ سکے۔

حدیث نمبر: 25

لین دین میں رہن رکھنے کا تصور

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَرَهْنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ

ترجمہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک مدت مقرر کر کے اناج خریدا اور لوہے کی ایک زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبي صلى الله عليه وسلم بالنسيئة، رقم الحديث: 2068)

تشریح:

لین دین کے معاملات میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کو قرض یا ادھار پر کوئی شے لینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے لیکن دینے والے کو یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ اُس کا حق اُسے

ملے گا یا نہیں؟۔ لہذا شریعت نے اُس کے اطمینانِ قلبی کے لئے قرض دار کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کے پاس اپنی کوئی شے ضمانت کے طور پر رکھ دے۔ اس طرح دونوں کا فائدہ ہو جائیگا کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جائیگی اور قرض خواہ کو اپنا حق واپس مل جانے کا یقین ہو جائیگا اور اگر قرض دار نے اُس کی رقم ادا نہ کی تو وہ مال مرہون (mortgaged property) کو فروخت کر کے اپنا حق لے سکتا ہے۔ قرض خواہ اور قرض دار کا یہ عمل شرعی اعتبار سے ”رہن“ کہلاتا ہے۔ درج بالا حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے رہن کا ثبوت ملتا ہے۔

ادھار لین دین یا قرض میں رہن کا رکھنا واجب نہیں بلکہ ایک مستحب عمل ہے۔ رہن کا ذکر قرآن مجید کی سورہ بقرہ آیت نمبر 282 میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةً ۚ تَرْجَمَةٌ: ”اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ بھی دے دیا کرو“ (سورہ بقرہ، آیت: 283)۔ اس آیت کریمہ میں حالتِ سفر میں (جبکہ کوئی وثیقہ نویس اور گواہ دستیاب نہ ہو) ادھار معاملات کو طے کرنے کی ایک صورت بیان کی جا رہی ہے کہ خریدار یا قرض دار اپنے قرض خواہ پر اعتماد قائم کرنے کے لئے اپنی کوئی چیز اس شرط کے ساتھ اُس کے پاس بطور گروی یا ضمانت رکھ دے کہ جب وہ یعنی خریدار اُس کا قرض ادا کر دے تو فروخت کنندہ مال مرہون واپس کر دے گا۔ واضح رہے کہ آیت کریمہ میں اگرچہ حالتِ سفر میں مالی معاملات میں رہن کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ حکم عام ہے یعنی سفر کے علاوہ بھی بوقتِ ضرورت رہن یا گروی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے ہاں کسی حد تک رہن رکھنے کا رواج تو عام ہے لیکن مشاہدے میں یہ آیا ہے کہ رہن کے متعلق شرعی احکام پورے نہیں کئے جاتے ہیں۔ ذیل میں رہن کی درستگی کی

چند اہم شرائط درج کی جا رہی ہیں:

(1) فریقین میں سے ہر ایک عاقل ہو البتہ اس میں بلوغت شرط نہیں ہے۔ لہذا سمجھ دار بالغ بچہ بھی راہن (pledgor) یا مرہن (pledgee) بن سکتا ہے۔ (2) مال مرہون ایسی شے ہو، جسے ضرورت پڑنے پر فروخت کیا جاسکے لہذا ناقابل فروخت شے رہن کے طور پر نہیں رکھی جاسکتی کیونکہ اُس سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ رہن کو فروخت کرنے کے بعد اُس کا اتنا ہی حصہ حقدار کو ملے، جتنا کہ قرض کے مقابلے میں ہو۔ زائد رقم قرض دار کو واپس کی جائے۔ اس اہم مسئلے کو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ (3) اگر راہن نے پورے قرض کی بجائے اُس کا کچھ حصہ ادا کر دیا ہو، تو اُسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کا اعتبار کرتے ہوئے مال مرہون کا کچھ حصہ واپس لے لے بلکہ جب تک پورے قرض کی ادائیگی نہیں کرے گا مرہن مال کو روک سکتا ہے البتہ اگر صورت حال یہ ہو کہ معاملہ رہن کے وقت ہی راہن نے یہ واضح کر دیا ہو کہ مال مرہون کا اتنا حصہ قرض کے اس مقدار کے مقابلے میں اور اتنا حصہ دوسرے کے مقابلے میں ہے تو پھر قرض کا جو حصہ ادا کیا جائیگا اُس کے مقابلے میں مال رہن بھی راہن کو واپس کیا جائیگا۔ (4) راہن کی وفات کی صورت میں اُس کے بالغ ورثاء پر لازم ہے کہ وہ مال متروکہ میں سے قرض کی ادائیگی کر کے مال مرہون مرہن سے واپس لے لیں۔ نابالغ ورثاء ہوں یا بالغ تو ہوں، لیکن دور ہوں تو مرہن مال مرہون کو فروخت کر کے اپنا حصہ حاصل کر سکتا ہے۔ مرہن کی وفات کے بعد مال مرہون اُس کے وارثوں کے پاس بطور رہن ہو جائیگا۔ (5) مرہن (mortgagee) مال مرہون (mortgaged property) سے کسی قسم کا فائدہ نہیں لے سکتا۔ مرہن کے پاس رہتے ہوئے اُس مال میں کوئی اضافہ ہو یا اُس سے کوئی شے حاصل ہو، تو اُس کا مالک راہن ہی ہوگا یعنی رہن رکھوانے والے کو یہ سب فوائد حاصل ہونگے۔ اسی طرح

مرتبہ کی کوتاہی کے بغیر مال رہن میں کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان بھی مال کے حقیقی مالک کا ہوگا۔ اس کی وضاحت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رہن پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا، اس کا فائدہ بھی رہن رکھنے والے کا ہے اور اس کا نقصان بھی اسی کا ہے، (اسلامی مالیات، صفحہ نمبر 230) (6)

مال مرہون چونکہ مرتبہ کے پاس ایک اعتبار سے امانت ہوتا ہے اس لئے مرتبہ پر یہ لازم ہے کہ وہ مال مرہون کی خود یا اپنے قابل اعتماد لوگوں کے ذریعہ سے ہر ممکن حفاظت کرے۔ مال کی حفاظت کے حوالے سے جملہ اخراجات و مصارف مرتبہ کی ذمہ داری ہے مثلاً گودام میں رکھنے کے اخراجات وغیرہ، البتہ وہ تمام اخراجات جن کا تعلق مال مرہون کی بقا اور ملکیت سے ہے، اُن کی ادائیگی راہن کے ذمہ ہے، مثلاً جانور کا چارہ، مکان کی صفائی ستھرائی اور مرمت کے اخراجات اور پراپرٹی ٹیکس وغیرہ۔

اگر راہن نے مرتبہ یا مرتبہ نے راہن کی اجازت کے بغیر وہ اخراجات کر دیئے، جو شرعاً اُن کی ذمہ داری تھی تو اُن کی جانب سے تبرع (احسان) سمجھا جائیگا۔ راہن و مرتبہ میں سے کوئی بھی مطالبے کا حق نہیں رکھتا ہے۔

حدیث نمبر: 26

تجارت میں وکالت

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بَدِينًا يَشْتَرِي لَهُ أُضْحِيَّةً فَاشْتَرَاهَا بِدِينَارٍ وَبَاعَهَا بِدِينَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرَى لَهُ أُضْحِيَّةً بِدِينَارٍ وَجَاءَ بِدِينَارٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَصَدَّقَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَهُ أَنْ يُبَارَكَ لَهُ فِي تِجَارَتِهِ

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار دے کر بھیجا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانی کا جانور خریدیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دینار میں جانور خرید کر دو دینار میں فروخت کر دیا۔ پھر دوبارہ انہوں نے ایک دینار میں قربانی کا جانور خریدا اور ایک دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے (ایک دینار کو) صدقہ کر دیا اور اُن (حضرت حکیم بن حزام) کے لئے دُعا فرمائی کہ اُن کی تجارت میں برکت ہو۔

تخریج: (سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی المضاربِ یخالف، رقم الحدیث: 3388)

تشریح:

عقل و شعور اور علمی و عملی مہارت و اہلیت میں تمام لوگ برابر نہیں ہوتے بلکہ ان میں بعض انتہائی ذہین ہوتے ہیں، جن میں اپنے کام کو انجام دینے کی بدرجہ اولیٰ صلاحیت موجود ہوتی ہے جبکہ اس کے برعکس کچھ لوگ علم و صلاحیت اور مہارت و اہلیت میں کمی کی وجہ سے اپنے بعض امور بحسن و خوبی انجام دینے سے عاجز ہوتے ہیں اور کئی مرتبہ مہارت ہونے کے باوجود وقت کی کمی یا دیگر کاموں میں مصروفیات کی وجہ سے انسان اپنے کئی کام خود انجام دینے سے قاصر رہتا ہے اور اُسے اُس کام کی انجام دہی میں دوسروں کی مدد کی ضرورت رہتی ہے لہذا شریعت نے ایسے تمام لوگوں کی سہولت کے لئے انہیں یہ اجازت دی ہے کہ وہ اپنے میں سے ایسے شخص کو اپنا وکیل یا نائب نامزد کر دیں، جو اُن کے کام یا معاملے کی انجام دہی میں اُن کی بہتر نمائندگی کر سکے اور اُس کے بہتر نتائج لاسکے اور وکالت دراصل اسی چیز کا نام ہے۔

زیر مطالعہ حدیث مبارک میں وکالت کا جائز ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور دیگر احادیث مبارکہ میں وکالت کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ کہف میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اصحاب کہف کے تذکرے میں ارشاد فرمایا کہ **فَاْبْعَثُوْا اَحَدًا كُمْ بَوْرٍ قِكُمْ هٰذِهِ اِ**

لِي الْمَدِينَةِ فَلَیُنظَرُ أَیُّهَا أَرْزُقِي طَعَامًا فَلْيَا تَكْمُ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ترجمہ: ”اب تم اپنے میں سے کسی ایک کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر بھیجوتا کہ وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے، (اور) پھر اسی میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے آئے، (سورہ کہف، آیت: 19)۔“ اس آیت مبارکہ میں اصحاب کہف کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ انہوں نے اشیاء خور و نوش کے لئے خود میں سے ایک شخص کو وکیل مقرر کر کے شہر بھیجا، تاکہ وہ ان تمام لوگوں کے لئے کھانا خرید کر لائے۔ یہ وکالت کے جواز پر قرآنی دلیل ہے۔

وکالت چونکہ احسان کی ایک صورت ہے لہذا اس کا جواز قرآن مجید کی سورہ مائدہ کی آیت نمبر 2 سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ترجمہ: ”تقویٰ اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، (سورہ مائدہ، آیت: 2)۔“ وکالت صرف خرید و فروخت کے معاملے میں نہیں ہے بلکہ زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی وکالت کی ضرورت رہتی ہے مثلاً بعض اوقات گھریلو اور ذاتی مسائل کے تصفیہ کے لئے وکیل مقرر کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ازدواجی مسائل کے حل کے لئے منصف کے طور پر وکیل مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ☆ ترجمہ: ”اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان مخالفت کا اندیشہ ہو، تو تم ایک منصف، مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کر لو، اگر وہ دونوں (منصف) صلح کرانے کا ارادہ رکھیں تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا، بیشک اللہ خوب جاننے والا خبردار ہے، (سورہ نساء، آیت: 35)۔“ اس آیت کریمہ سے وکالت کی مشروعیت اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ جب زوجین میں مفاہمت کی کوئی

صورت نظر نہ آئے، تو یہ حکم دیا گیا کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے رشتے داروں میں سے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اپنا اپنا منصف نامزد کرے، جو ان کے درمیان پیدا شدہ رنجش کو ختم کرانے میں ان کی مدد کر سکے۔

حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹ کی قربانی کی، جن میں سے 63 اونٹوں کو خود ذبح کیا اور باقی کو ذبح کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وکیل مقرر کیا۔ اسی طرح کئی صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو زکوٰۃ وصول کرنے اور تبلیغ دین کے لئے اپنا نائب (وکیل) بنا کر دوسرے علاقوں میں بھیجا اور یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے تک اور تا حال امت میں جاری ہے، یعنی اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔

کیا وکالت تمام معاملات میں ہو سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے وکالت صرف ان امور میں ہو سکتی ہے، جن میں نیابت یعنی وکیل بنانا جائز ہو مثلاً خرید و فروخت کے معاملات وغیرہ۔ نماز، روزہ اور ان جیسی عبادتوں میں چونکہ نیابت جائز نہیں ہے لہذا ان کاموں کی ادائیگی کے لئے کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ ایسی عبادات ہیں، جن کی ادائیگی مکلف پر ہی لازم و ضروری ہے اور مکلف کے ادا کئے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔

وکالت عام اور خاص دونوں طرح سے ہو سکتی ہے لہذا اگر وکالت میں وکیل کو کسی خاص کام کے کرنے یا شے کو خریدنے کا پابند نہ کیا گیا ہو، تو یہ ”وکالت عامہ (General Agency Agreement)“ ہیں جیسے موکل نے اپنے وکیل سے یہ کہا کہ جو چیز مناسب سمجھیں میرے لئے خرید لیں تو اب خریداری کی وکالت عامہ کے تحت ہوگی۔ لہذا وکیل جو کچھ بھی خریدے گا وہ موکل کا ہوگا۔ وکیل دینے سے اور موکل لینے سے انکار نہیں کر سکتا۔ یونہی اگر یہ کہہ دیا کہ میرے لئے جو کچھ چاہو خرید لو تو یہ کپڑے کے متعلق

وکالت عامہ ہے۔ لیکن اگر موکل نے عقد وکالت میں کسی خاص چیز کی خریداری کے لئے وکیل بنایا ہو، تو یہ وکالت خاصہ ہے۔ مثلاً موکل اپنے وکیل کو یہ کہے کہ میرے لئے فلاں چیز خرید لیں وغیرہ۔ ایسی صورت میں وکیل وہی معین چیز، جس کی خریداری کا اُسے وکیل مقرر کیا گیا ہے، خرید سکتا ہے اُس کے سوا دوسری چیز نہیں خرید سکتا۔ اگر وکیل نے اُس کی اجازت کے بغیر خرید تو موکل پر اُس کی ادائیگی لازم نہیں بلکہ وہ وکیل کی ملکیت میں شمار ہوگی اور اُس کی قیمت کی ادائیگی وکیل پر لازم ہوگی۔

وکیل کی حیثیت دراصل ایک امین کی ہوتی ہے لہذا اُس پر لازم ہے کہ جس کام کی ذمہ داری اُس نے اپنے ذمہ لی ہے، اُسے اپنی بساط کے مطابق درست انجام دینے کی بھرپور کوشش کرے۔ شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے اپنے موکل کو ہر قسم کے نقصان سے بچائے۔ لڑائی جھگڑے اور دیگر فوجداری معاملات کی وکالت میں وکیل کو چاہئے کہ وہ صرف حق بات کہے۔ اپنے موکل کے مجرم ہونے کے باوجود اُسے بچانے کے لئے زبان دانی کے جوہر دکھانے کی بجائے صرف حق بات پر اُس کا ساتھ دے۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوگا۔ جہاں تک مال کا تعلق ہے تو یہ وکیل کے قبضے میں بطور امانت رہتا ہے لہذا اس پر امانت کے تمام شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں۔ وکیل پر شرعاً یہ لازم ہے کہ وہ مال کی حتی الوسع حفاظت کرے اور موکل تک بحفاظت اور بغیر کم و کاست کے پہنچا دے۔ لیکن اگر وہ مال وکیل کے قبضے میں اُس کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے، تو وکیل ضامن (Responsible) یعنی ذمہ دار نہیں ہوگا البتہ مال کے ضیاع یا اُس کی قدر میں کمی ہونے میں اُس کی کوتاہی اور غفلت ثابت ہو جائے، تو حقیقی نقصان (Actual loss) کا ازالہ وکیل پر لازم ہے۔

وکیل کے لئے اجرت لینا بھی جائز ہے مگر اس صورت میں وکالت کا معاملہ

اجارة الخدمت (Services Ijarah) کی طرح ہو جائیگا۔ جیسا کہ مجلۃ الاحکام

العدلیہ مادہ نمبر 1467 میں ہے کہ اگر وکالت میں اجرت کی شرط بھی ہو اور وکیل نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہو، تو وہ اجرت کا مستحق ہو جائیگا اور اگر اجرت کی شرط نہ ہو، تو وکیل ایک مفت خدمت گار ہوگا لہذا کام کی تکمیل پر کسی قسم کے حق خدمت کا حقدار نہیں ہوگا۔

وکالت چونکہ عقود لازمہ (Binding Contracts) میں سے نہیں ہے لہذا موکل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو رہا ہو، تو وہ جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کر دے۔ اسی طرح وکیل کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ معاملہ وکالت سے جس وقت چاہے معزولی کا اظہار کر دے لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ اس کی معزولی سے کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو رہا ہو۔ موکل وکیل کو معزول کرے یا وکیل خود معزول ہو جائے دونوں صورتوں میں دوسرے کو معزولی کا علم ہونا ضروری ہے لہذا جب تک علم نہ ہوگا وہ معزول شمار نہیں کیا جائیگا۔ اس کے علاوہ کام کی تکمیل، موکل یا وکیل کی موت، موکل کے مفلس ہو جانے، وکیل یا موکل میں سے کسی ایک یا دونوں کے ذہنی توازن کے بگڑ جانے پر بھی وکالت کا معاہدہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر: 27

کفالت (guarantee) یعنی لین دین میں کسی کی ذمہ داری لینا

عَنْ أَبِي أَمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّعِيمُ غَارِمٌ

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کفیل ضامن ہے۔

تخریج: (مسند امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ، حدیث ابی امامہ الباہلی، رقم الحدیث: 22955)

تشریح:

وکالت کی طرح کفالت بھی عقد تبرع یعنی احسان کی ایک صورت ہے۔ لوگوں کو لین دین کے معاملات میں وکالت کی طرح کفالت کی بھی اکثر ضرورت پڑتی ہے۔ اس سے لوگوں کا ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی خوف و خطر کے آپس میں مالی و دیگر معاملات کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر مطالعہ حدیث شریف میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کفالت کرنے والا ذمہ دار (responsible) ہوتا ہے لہذا اگر کوئی شخص کسی کو قرض دینے سے اس لئے ڈرتا ہے کہ معلوم نہیں وہ قرض واپس کرے گا یا نہیں؟ تو کفالت کی صورت میں اسے اطمینان ہو جائیگا کہ قرض دار کے قرض نہ دینے پر کفیل اپنے وعدے کے مطابق قرض ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ آج کے تجارتی معاملات میں چھوٹے اور بڑے تمام منصوبہ جات میں کفالت ہوتی ہے اور یہ پوری دنیا میں بڑی کامیابی کے ساتھ رائج ہے۔

کفالہ کے جائز ہونے پر اس حدیث مبارک کے علاوہ متعدد آیات کریمہ اور دیگر احادیث کریمہ موجود ہیں۔ جیسا کہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا تَرْجَمَ: ”زکریا (علیہ السلام) نے (مریم) کی کفالت کی ذمہ داری لی، (سورہ آل عمران، آیت نمبر 37)“۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جب پیالہ گم ہو گیا، تو تلاش کرتے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے انعام کا اعلان ہوا کہ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ☆ جو پیالہ لا کر دے گا اس کو انعام میں ایک اونٹ کا بوجھ غلہ دیا جائے گا، میں اس کا ضامن ہوں، (سورہ یوسف، آیت: 72)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی دوسروں کی کفالت کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی ایک دوسرے کی کفالت کرتے

تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب الکفالہ میں ایک طویل حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں تشریف لائے تو نماز پڑھانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میت نے قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں دو دیناران کے ذمہ لازم ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم لوگ خود اس میت پر نماز پڑھ لو (یعنی میں نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا) چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی ادائیگی کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث میں یہ بھی ہے کہ جب فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا، تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مومنوں سے اُن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں لہذا آئندہ کوئی شخص مقروض انتقال کرے، تو میں اس کے قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ ترجمہ: ”میں اور یتیم کی ذمہ داری قبول کرنے والا جنت میں قریب ترین ہوں گے۔“

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفالت صرف کاروباری معاملات میں نہیں ہے بلکہ زندگی کے دیگر معاملات میں بھی ہے۔ مثلاً کسی یتیم لاوارث بچے کی کفالت کرنا، غرباء و مساکین کی غذا، لباس اور رہائشی ضروریات کی کفالت کرنا وغیرہ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ علاقے کے کئی نادار و مساکین کی کفالت کیا کرتے تھے اور ایک صحابی، جو کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر کفالت تھے، کے میں بارے میں آتا ہے کہ کسی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق اُن کی کفالت سے دستبردار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ نور میں آیت کریمہ 22 نازل فرمادی اور انہیں دوبارہ کفالت کرنے کی ترغیب دی۔

کفالت چونکہ ایک رضا کارانہ عقد ہے، جس کا مقصد محض امداد اور احسان ہے۔

لہذا اس پر کسی قسم کا معاوضہ یا اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ موجودہ زمانے میں کفالت کرنے میں کبھی کفیل کو کاغذی کارروائی و دیگر معاملات میں کچھ خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے لہذا ایسی صورت میں کفیل فی الواقع اخراجات (Actual Expenses) لے سکتا ہے۔

حدیث نمبر: 28

حوالہ (Transfer of Debt) یعنی اپنا قرض کسی دوسرے کے سپرد کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا تَبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مالدار کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے اور جب مالدار پر حوالہ کر دیا جائے، تو قرض خواہ کو چاہئے کہ وہ اسے قبول کرے۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الحوالات، باب فی الحوالات وھل یرجع فی الحوالات، رقم الحدیث: 2287) تشریح:

اس حدیث مبارک میں لین دین کے معاملات میں دوسرے کے ساتھ احسان و مروت اور تعاون کی ایک اور پسندیدہ صورت بیان کی جا رہی ہے اور وہ حوالہ ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قرض دار کسی وجہ سے قرض کی ادائیگی سے معذور ہو جاتا ہے اور قرض خواہ کی طرف سے اس پر دباؤ ہوتا ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی فورا کر دے، کئی دفعہ آپس میں زنجشیں اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ نوبت لڑائی جھگڑے تک چلی جاتی ہے لہذا شریعت نے ایسی صورت میں قرض دار کو اجازت دی ہے کہ اپنے قرض کو قرض خواہ کی رضامندی سے کسی

دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دے تاکہ وہ شخص اُس کی طرف سے قرض کی ادائیگی کرے۔ حوالہ کی ایک صورت ”حوالہ حق“ کہلاتی ہے، اس کے تحت ایک قرض خواہ دوسروں سے قابل وصول قرض کی وصولیابی کا حق اپنے کسی دوسرے قرض خواہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ مثلاً احمد نے اکبر سے ایک لاکھ روپے لینے ہیں اور افضل کو ایک لاکھ روپے ادا کرنے ہیں لہذا جب افضل نے زید سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو زید اُسے رقم دینے کی بجائے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنا قرض اکبر سے وصول کر لے، جو کہ زید کا مقروض ہے اب اگر اکبر اور افضل اس بات پر راضی ہو جائے، تو اس طرح کا حوالہ ”حوالہ حق“ کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیر مطالعہ حدیث شریف میں یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی مجبور شخص اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے کسی امیر اور صاحب حیثیت پر قرض کا حوالہ کرے تو قرض خواہوں کو چاہئے کہ وہ اس حوالہ کو قبول کرے اور قرض دار کی پریشانی ختم کرے۔ حوالہ کو قبول کرنے سے نہ صرف قرض دار کی پریشانی ختم ہوگی بلکہ قرض خواہ کو بھی فائدہ ہوگا کہ اُس کا قرض اُسے بروقت مل جائے گا۔ اور حوالہ کرنے والے کو اس حدیث مبارک کی رُو سے اجر ملے گا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مصیبت زدہ کی مصیبت دور کی تو اللہ جل شانہ قیامت کے دن اُس کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور کرے گا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا کہ جب تک کوئی اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اُس کے شامل حال رہتی ہے۔ آج امانت و دیانت کے معیار کے پست ہو جانے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے اور حوالہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں حوالہ کی عملی صورت بہت کم نظر آتی ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں چاہئے کہ ہم امانت و دیانت کے معیار کو مستحکم کریں اور ایک دوسرے پر اعتماد کر بحال کریں تاکہ حوالہ کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث

مبارک میں عمل کیا جاسکے۔ اس سے ہمدردی، ایثار اور اخوت پر مبنی معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکے گی، جس کی آج بے انتہا کمی محسوس کی جا رہی ہے۔

کفالت اور حوالہ اس اعتبار سے تو ایک جیسے ہیں کہ دونوں ہی میں ایک شخص اپنے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری دوسرے شخص کو منتقل کر دیتا ہے۔ لیکن ان کے درمیان فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کفالت میں قرض کی ادائیگی کی مکمل ذمہ داری کفیل پر نہیں ہوتی بلکہ اصل قرض دار پر بھی رہتی ہے لہذا جب اصل قرض دار قرض کی ادائیگی سے معذور ہو جائے تو پھر کفیل قرض کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔ جبکہ حوالہ میں قرض کی ادائیگی کی مکمل ذمہ داری حوالہ لینے والے پر عائد ہو جاتی ہے اور اصل قرض دار بیچ سے بالکل نکل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفالت کی بہ نسبت حوالہ میں احسان و مرؤت اور تعاون کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث نمبر: 29

تجارت میں اقالہ (سودا منسوخ کرنے) کی شرعی حیثیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللَّهُ عَشْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان سے اقالہ کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی لغزش دور فرمائے گا۔

تخریج: (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الاقالہ، رقم الحدیث: 2283)

تشریح:

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سامان کی خریداری کے بعد خریدار کو اُس کی ضرورت نہیں رہتی اور کبھی فروخت کنندہ کو اپنی فروخت شدہ شے کی دوبارہ ضرورت پڑ جاتی ہے۔ لہذا اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت نے خریدار اور فروخت کنندہ کو اختیار شرط کی سہولت دی ہے، جس کے تحت وہ تین دن تک سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں لیکن اختیار شرط میں یہ لازم ہے کہ معاہدے کے وقت ہی اس کی تعیین ہو جائے کہ فریقین یا کسی ایک کو اختیار شرط حاصل ہے یا نہیں؟ اور باقی دیگر اختیارات مثلاً اختیار عیب، اختیار غبن اور اختیار وصف وغیرہ میں اختیار کی شرائط کا ہونا ضروری ہے وگرنہ سودا منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اگر یہ فریقین کو حاصل نہ ہوں لیکن اُن میں سے کوئی ایک فریق کسی عذر کی وجہ سے سودا منسوخ کرنے کا خواہش مند ہو تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی؟ کیا وہ مجبوری کے باوجود معاہدے پر عمل کا پابند ہے یا شریعتِ مطہرہ نے اُسے کسی قسم کی رعایت دی ہے، جسے وہ حاصل کر سکتا ہے؟ تو ان سب سوالوں کا جواب یہ ہے کہ بالکل شریعتِ مطہرہ نے اِقالہ (rescission) کے ذریعے سودا منسوخ کرنے کی رعایت دی ہے۔ اور اِقالہ چونکہ انسانیت اور قربانی کے جذبے کے تحت کیا جاتا ہے اور ایک شخص حق رکھنے کے باوجود کسی مجبور اور ضرورت مند کو فائدہ دینے کی غرض سے اپنے جائز حق سے دستبردار ہوتا ہے لہذا درج بالا حدیثِ مبارک میں اس عمل کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے اور اس پر ملنے والے انعام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور وہ انعام یہ ہے کہ قیامت کے دن جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا، ہر کوئی پریشان ہوگا اور اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوگا، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ اُس کی لغزشوں اور خطاؤں کو اس لئے معاف فرمائے گا کہ اُس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ نرمی کی تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آخرت کی ہر نعمت دنیا کے مال و

متاع اور وقتی فوائد سے ہزار ہا گنا افضل و اعلیٰ ہے۔ آخرت کی ابدی اور سرمدی نعمتوں کے حصول کے لئے ناپائیدار دنیاوی مال و اسباب سے دستبردار ہونا نقصان کا سودا نہیں بلکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ لہذا تاجر حضرات کو آپس کے معاملات میں اقالہ کو ضرور اختیار کرنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص مال خریدنے یا فروخت کرنے کے بعد سودا کو منسوخ کرنے کی درخواست کرے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کو ضرور سامنے رکھیں اور درخواست گزار کی گزارش کو رد نہ کریں بلکہ اس موقع کو غنیمت جان کر فوراً اسے حاصل کریں۔ یہ عمل آخرت کی بہترین متاع ثابت ہوگا۔

اقالہ کی اہمیت بیان کرنے کے بعد اس کے بارے میں چند شرعی اصول بھی بیان کرنا ضروری ہے تاکہ قارئین ان اصولوں کے مطابق درست اقالہ کر سکیں۔ لہذا اقالہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ فریقین (فروخت کنندہ اور خریدار) کی جانب سے ایجاب و قبول کے ساتھ ہو یعنی ایک فریق معاملہ کو منسوخ کر دینے کی درخواست کرے اور دوسرا اس کی درخواست کو قبول کرے۔ یہ بھی واضح رہے کہ فروخت شدہ چیز کو واپس کر کے اپنی قیمت واپس لے لینا بھی ایجاب و قبول کے قائم مقام ہے۔ اقالہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بیع کو فسخ کرنے کا ایجاب اور قبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں۔

اقالہ میں فروخت شدہ مال کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اقالہ کے وقت موجود ہو۔ اگر مال ضائع ہو گیا یا کسی تیسرے شخص کو فروخت کر دیا گیا تو پھر اقالہ درست نہیں۔ اگر فروخت شدہ مال کا کچھ حصہ ضائع یا استعمال ہو چکا ہو، تو جتنا حصہ باقی ہے، اس پر اقالہ ہو سکتا ہے۔ فروخت شدہ مال کے برعکس قیمت کے ضائع یا استعمال ہو جانے پر اقالہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ قیمت متعین نہیں ہوتی لہذا اس کی جگہ کوئی اور چیز دی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر: 30

عاریت (Borrow to make use) کی شرعی حیثیت

عَنْ أُمِّيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ بْنِ أُمِّيَّةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اسْتَعَارَ مِنْهُ أَذْرُعًا يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ: أَغْضَبْتُ يَا مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ لَا بَلْ عَارِيَةٌ
مَضْمُونَةٌ

ترجمہ:

حضرت اُمیہ بن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد صفوان بن اُمیہ سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر ان کی زرہیں مانگیں (یعنی آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ اپنی زرہیں جنگ میں استعمال کے لئے ہمیں دے دو) تو صفوان
نے (جنہوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا) کہا کہ کیا میری زرہیں
غصب (قبضہ) کے طور پر لینا چاہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ
عاریت کے طور پر لینا چاہتا ہوں) جس کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔

تخریج: (سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی تضمین العاریۃ، رقم الحدیث: 3564)

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث مبارک میں عاریت کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔ کسی چیز کا
حق انتفاع (Beneficial Rights) بغیر کسی عوض کے کسی کو دینا ”عاریت“
کہلاتا ہے۔ یہ عقد تبرع (احسان) کی ایک صورت ہے۔ عاریت کا ذکر قرآن مجید کی سورہ
مَاعُون میں بھی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے روزمرہ کی اشیاء ضرورت دوسروں کو نہ دینے
والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ترجمہ: وہ استعمال کی

معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں (سورہ ماعون، آیت: 7)۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس مراد گھر میں استعمال ہونے والی کارآمد چیزیں ہیں، جیسے کلہاڑی، دیگچی اور آگ وغیرہ، (انوار تبیان القرآن، صفحہ نمبر 968)۔ وہ روزمرہ کی اشیاء دوسروں کو عاریت پر نہیں دیتے۔ ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گھوڑا عاریتاً لیا تھا۔ کسی محتاج اور ضرورت مند کو کوئی چیز عاریت پر دینے والے کو اجر و ثواب اور قرب حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ عمومی طور پر نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون ہے۔

حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ عاریت پردی جانے والی شے امانت کی طرح ہوتی ہے، لہذا مطلوبہ فوائد حاصل کئے جانے کے بعد اُسے اصل مالک کو لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔ اگر عاریت پر لینے والے کی کسی کوتاہی کی وجہ سے مال کو نقصان پہنچ جائے، تو حقیقی نقصان کا ازالہ اُس پر ضروری ہے۔ شے کے وہ اخراجات، جو اُس کی بقا کے لئے ضروری ہیں، عاریت پر لینے والے پر عائد ہونگے۔ لہذا اگر اُس نے اُن اخراجات کو برداشت نہیں کیا اور اس وجہ سے شے کو کوئی نقصان پہنچا، تو مستعیر ضامن (responsible) ہوگا۔

عاریت کا معاملہ بغیر کسی شرط (unconditional) کے بھی ہو سکتا ہے اور مقید (conditional) بھی۔ اگر معاملہ بغیر کسی شرط کے ہے یعنی اُس میں استعمال اور جگہ کے بارے میں کوئی قید نہ لگائی گئی ہو، تو مستعیر (عاریت پر سامان لینے والا) عرف و رواج (custom) کے مطابق جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ عرف و رواج کے مطابق استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کاموں میں عاریت پر لئے گئے سامان کو استعمال نہ کرے، جن کاموں میں استعمال کرنے سے لوگ بچتے ہیں۔ مثلاً مکان عاریت مطلقہ کی بنیاد پر لیا، تو اُس میں رہ بھی سکتا ہے اور اپنا سامان وغیرہ بھی رکھ سکتا ہے لیکن اگر اُس

میں بھٹی وغیرہ بنانا چاہے تو وہ نہیں بنا سکتا کیونکہ مروّج نہیں ہے۔ اگر معاملہ مقید ہے، تو پھر معیر کی لگائی گئی پابندی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مالِ مستعار کو استعمال کیا جانا ضروری ہوگا۔

عاریت اور اجارہ میں فرق یہ ہے کہ اجارہ میں مال کے استعمال کرنے کا معاوضہ کرایہ (rent) کی صورت میں لیا جاتا ہے، جبکہ عاریت میں استعمال کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اجارہ میں چونکہ مدّت متعین ہوتی ہے لہذا فریقین باہمی رضا مندی کے بغیر اسے منسوخ نہیں کر سکتے ہیں، جبکہ عاریت پر دینے والا اپنی شے کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے، اس کیلئے فریقین کے درمیان باہمی رضا مندی ضروری نہیں ہے۔

حدیث نمبر: 31

مزدور کی اجرت فوراً ادا کرنے کا حکم

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ

ترجمہ:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

تخریج: (سنن ابن ماجہ، کتاب الرھون، باب اجرا لاجراء، رقم الحدیث: 2537)

تشریح:

اسلام نے جہاں معاشرے کے دوسرے افراد کے حقوق و فرائض کا تعین کر دیا ہے، وہیں مزدور و مالکان کے حقوق و فرائض کو بھی واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور ہر ایک کو

پابند کیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی ادائیگی میں ذرا برابر بھی کوتاہی نہ کریں۔ آج ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کئی ایسی تنظیمات وجود میں آچکی ہیں، جو مزدوروں کے حقوق کے لئے آواز بلند کر رہی ہیں، مزدوروں کو ان کے جائز مقام دلانے کے لئے کئی قوانین وضع کئے گئے ہیں اور سال میں ایک دن ان کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے لئے یومِ مزدور کے نام سے منایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ عرصے پہلے سے ہو رہا ہے، اس سے پہلے نہیں تھا لیکن اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ شریعتِ مطہرہ نے صدیوں پہلے ظلم و بربریت کی چکی میں پسے ہوئے مزدوروں کو ان کا جائز حق دیدیا اور مالکان کو پابند کیا کہ مزدوروں کو کم تر نہ سمجھیں، جب کسی مزدور سے کام لیا جائے تو اس کا حق فورا دیدیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا پیارا حکم ارشاد فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ہی ادا کر دو یعنی اس کا حق خدمت معاہدے کے مطابق وقت پر ادا کر دیا جائے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی معروف و مشہور حدیث مبارک ہے، جو کم و بیش ہر شخص چاہے وہ مزدور ہو یا مالک سب کو یاد ہے۔ مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے اس حدیث مبارک کے علاوہ ایک حدیثِ قدسی بھی بڑی معروف ہے، جس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین لوگوں کے لئے خود مدعی بنوں گا، ان میں سے ایک وہ مزدور ہوگا، جس نے اپنا کام تو پورا کر لیا لیکن اسے اس کی اجرت نہیں دی گئی۔

ہمارے معاشرے میں اوّل تو مزدوروں کو ان کی محنت کی اجرت نہیں دی جاتی اور اگر دی بھی جائے تو اتنی کہ مزدوروں کو دوبارہ پسینہ آجاتا ہے۔ آج مزدوروں کو اتنی اجرت دی جاتی ہے کہ اس سے ان کے لئے دو وقت کی روٹی کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ پورا دن

چینیوں اور لوہے کی بھٹیوں میں کام کرنے والے معاشی اعتبار سے کمزور ہیں جبکہ اُن کی محنت کی آمدنی سے سرمایہ کار اور مالکان امیر سے امیر تر ہوتے جا رہے ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر مزدور اور مالکان کے درمیان نفرتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ جب مزدوروں کو اُن کی محنت کا صحیح اور بروقت معاوضہ نہیں ملتا تو پھر وہ ہڑتال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، مالکان اُن سے بدلہ لینا کے لئے کارخانوں کی تالہ بندی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ایک طرف بے قصور صارفین کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو دوسری طرف ملکی معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج بالا حدیث مبارک مزدوروں کو معاشی تحفظ فراہم کرتی ہے اور مالکان کو تنبیہ کرتی ہے کہ وہ مزدوروں کے استحصال سے رُک جائیں۔ وگرنہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اُن پر مقدمہ قائم کیا جائے اور اس مقدمہ میں رب تعالیٰ خود ہی مزدوروں کی طرف سے مدعی ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک میں ہے کہ تمہارے خادم، ملازم، مزدور اور غلام تمہارے بھائی ہیں، لہذا تم میں سے جس کے پاس اس کا کوئی بھائی ہو، تو اُسے چاہئے کہ وہ اُس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے جیسا کہ وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے۔ اپنے مزدور کو کوئی ایسا کام کرنے کو نہ کہے، جسے وہ خود نہیں کر سکتا اور اگر ایسا کام کرانے کی ضرورت ہو، تو خود بھی اُس کا ساتھ دے، (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امور الجاہلیۃ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف سے مزدوروں سے کام لینے کے متعلق کئی اصول بنتے ہیں۔ ایک یہ کہ مزدور و مالکان کے درمیان بھائی چارگی کا رشتہ ہے۔ لہذا مالک کے لئے مستحب ہے کہ وہ جو اپنے لئے پسند کرے، وہی اپنے مزدور بھائی کے لئے بھی پسند کرے۔ اس حدیث مبارک میں مالکان کو عیش و عشرت کی زندگی سے روکا جا رہا ہے اور سادگی اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے ساتھ دوسروں پر بھی خرچ

کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ اُس کے اخراجات دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور وہ کفایت کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مزدوروں کو بمشکل دال روٹی میسر ہوتی ہے جبکہ مالکان اور کارخانہ دار مہاجن کے ایک وقت کی کھانے پینے کا بل مزدوروں کی پوری تنخواہ کے برابر ہوتا ہے اور مزدور بمشکل سال میں ایک مرتبہ نئے کپڑے سلوا پاتا ہے اور کئی تو ایسے بھی ہیں، جنہیں سالوں نئے کپڑے نصیب نہیں ہوتے، اس کے برعکس سرمایہ دار روزانہ نئے کپڑے زیب تن کرتا ہے۔ شریعت کا منشا یہ ہے کہ مزدوروں کی تنخواہ اتنی ہونی چاہئے کہ جس سے اُن کی بنیادی ضرورتیں آسانی کے ساتھ پوری ہو سکیں۔ اس سے نہ صرف مزدوروں کا فائدہ ہوگا بلکہ مالکان کو بھی فائدہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں مزدور بخوشی اور احسن طریقے سے اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیں گے اور کاروبار خوب ترقی کرے گا۔

دوسرا یہ کہ مزدوروں سے اُن کی طاقت کے مطابق کام لیا جائے، اُن پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے کہ اُن کے لئے کرنا مشکل ہو جائے۔ اس سے مزدوروں سے معاہدہ کے برخلاف مقررہ وقت سے زائد کام لینے کی ممانعت کا بھی علم ہوتا ہے۔ کئی جگہوں میں آٹھ گھنٹوں کی بجائے بارہ بارہ بلکہ سولہ سولہ گھنٹے کام لیا جاتا ہے اور اگر مزدور زیادہ وقت کام کرنے سے انکار کرتا ہے تو اُسے ملازمت سے فارغ کر دینے کی دھمکی دیدی جاتی ہے لہذا مزدور بحالتِ مجبوری اپنی طاقت سے زیادہ محنت و مشقت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اگر مزدوروں سے اُن کی طاقت اور مقررہ وقت سے زائد کام لیا جائے تو اُن کا ہاتھ بٹایا جائے یا پھر اُسے زائد وقت کی اجرت بھی دی جائے۔ یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ زائد وقت کے منافع کا پورا حق دار وہ شخص ٹھہرے، جس نے کچھ محنت نہ کی ہو، صرف اپنا سرمایہ لگایا ہو۔ اور وہ شخص جو منافع حاصل کرنے کے لئے اپنا خون پسینہ بہا رہا ہے، اُسے کچھ بھی نہ ملے، زیادہ سے زیادہ چند تعریفی کلمات سے نواز دیا جائے۔

انسانی جسم کو راحت و آرام کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور انسانی جسم کا فطری تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن کو معاش کا ذریعہ بنایا تو تھکاوٹ دور کرنے کے لئے رات کو سکون اور راحت کے لئے پیدا فرما دیا۔ اب اگر کوئی شخص زیادہ یا مسلسل کام ہی کرتا رہے اور کچھ وقت آرام نہ کرے تو پھر اس سے کئی نفسیاتی اور سماجی مسائل جنم لیتے ہیں۔ صحت خراب ہو جاتی ہے، طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بیوی، بچوں، ماں باپ اور دیگر رشتے داروں کو وقت نہ دینے سے آپس میں رنجشیں بڑھتی ہیں۔

ابھی تک مزدوروں کے جن حقوق پر لکھا گیا، ان میں سے ہر ایک کا تعلق ان حقوق سے ہے، جو مزدور کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں فقہاء کرام نے فرمایا کہ جس طرح مزدوروں کو ان کی اجرت کا دینا لازم اور ضروری ہے بالکل اسی طرح مالکان پر یہ بھی لازم ہے کہ دوران کام فرائض و واجبات مثلاً نماز وغیرہ کا وقت آجائے، تو مزدوروں کو ان کی ادائیگی کے لئے نہ صرف وقت دیا جائے بلکہ ان امور کی انجام دہی کے لئے بہتر جگہ بھی فراہم کی جائے۔ اسی طرح رمضان المبارک میں ان سے اتنا ہی کام لیا جائے کہ وہ آسانی کے ساتھ روزے رکھ سکیں۔ کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ملازمین کو ایسے حقوق اللہ سے روکے، جن کی ادائیگی انفرادی طور پر ہر مسلمان پر ضروری ہے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو ملازمین پر اپنے مالک کی اطاعت لازم نہیں ہوگی کیونکہ حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ کسی کی اطاعت اسی وقت تک کی جاسکتی ہے، جب تک وہ شریعت کے مطابق ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

حدیث نمبر: 32

کارخانہ دار یا مالکوں کے حقوق

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَإِلَّا مَامَ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ (رَاعٍ) وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ قَالَ سَمِعْتُ هُنُودًا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَحْسِبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اُس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام ذمہ دار ہے لہذا اُس سے اُس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے لہذا وہ اپنے گھر والوں کے لئے جوابدہ ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے لہذا وہ اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہے، اور نوکر اپنے مالک کے مال کا ذمہ دار ہے، اس لئے اُس سے مالک کے مال کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا اور میرے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہذا تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور

ہر ایک سے اُس کے ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب العبد راع فی مال سیدہ ولا یعمل الا باذنہ، رقم الحدیث: 2409)

تشریح:

اسلام نے جس طرح مالک کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے مزدور کے حقوق پورے کرے، اُن کی اُجرت بروقت اور محنت کے مطابق دے اور اُن پر بے جا بوجھ نہ ڈالے تو ساتھ ہی مزدور کو بھی تاکید کی ہے کہ اپنی ذمہ داری کما حقہ ادا کرے، جو کام اُس کے ذمے لگایا گیا ہے، اُس کو کرنے میں کوتاہی نہ کرے، مالک کے مفادات کا تحفظ کرے اور اُس کے مال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مزدور اپنے حقوق کی بات تو کرتے ہیں، لیکن اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ کئی دفعہ مالک کا نقصان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ حالانکہ زیر مطالعہ حدیث مبارک کی رُو سے جس طرح مالک سے اُس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (یعنی اگر اُس نے اپنے مزدور کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہوگی تو اُسے نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی سزا بھگتنی ہوگی) بالکل اسی طرح مزدور بھی اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔

مزدوروں کے ذہن میں یہ حقیقت رہنی چاہئے کہ اپنے مالکان کا احترام سچے دل سے کریں، کیونکہ جب تک اُن کے دلوں میں احترام و محبت نہیں ہوگی، وہ اپنی ذمہ داریاں کما حقہ ادا نہیں کر سکتے۔ کئی دفعہ مزدور خاص طور پر مزدور یونینز بغیر کسی وجہ سے اپنے مالکوں کے خلاف محاذ بنا لیتے ہیں اور انہیں نہ صرف مالی بلکہ جسمانی نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔ اپنے مطالبات منوانے کے لئے مالکان پر ہڑتال اور دیگر حربوں سے غیر ضروری دباؤ ڈالتے ہیں۔ یہ سب کچھ شریعتِ مطہرہ کے منشاء کے خلاف ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی تعلیم یہ ہے کہ اجیر و مستاجر میں احترام کا رشتہ قائم رہے، کوئی کسی کی عزتِ نفس مجروح نہ کرے اور ہر ایک دوسرے کو اُس

کے مرتبے کے مطابق عزت دے۔ اس سے نہ صرف آپس میں محبت بڑھے گی بلکہ یہ عمل ملکی معیشت میں انسانے کا باعث بھی بنے گا، جو ملک و ملت دونوں کے لئے سود مند ہے۔

قرآن مجید کی سورہ قصص میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا آپس میں اجیر اور مستاجر ہونے کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی صاحبزادی نے اپنے والد محترم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمات حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور ان کی خدمات لینے کی وجہ یہ بیان کی کہ **يَا اَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنْ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ** ☆ ترجمہ ”اے ابا جان آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجئے، بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے، ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو، (سورہ قصص، آیت: 26)“۔ مذکورہ آیت کریمہ میں بہترین اجیر کی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اجیر یعنی مزدور مضبوط و توانا جسم کا مالک ہوتا کہ اپنی ذمہ داری احسن انداز میں انجام دے سکے اور دوسری یہ ہے کہ وہ امانت دار ہو۔

مزدوری میں امانت سے مراد یہ ہے کہ اگر مزدور اجیر عام ہے، تو جن لوگوں کے کام اُس نے لئے ہیں، انہیں وقت پر کام کر کے دیدے۔ اجیر عام سے مراد وہ مزدور ہے، جو مقررہ وقت میں ایک ہی شخص کے کام کو سرانجام دینے کا پابند نہ ہو بلکہ ایک وقت میں کئی دوسرے لوگوں کے کام بھی کر سکتا ہو جیسے ہیئر ڈریسر، خدمات فراہم کرنیوالے تمام ادارے، تشہیر (advertisement) کے ادارے، وکلاء و قانونی مشیران اور مال اٹھانے والے وغیرہ۔ یہ سب ایک شخص یا ادارہ کا کام کرنے کے پابند نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی وقت میں مختلف لوگوں کے کام لیتے اور کرتے ہیں۔ اجیر عام میں یہ خرابی عام طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آمدنی کے لالچ میں اپنی طاقت سے زیادہ کام لے لیتا ہے اور پھر بعد میں کام وقت پر نہیں کر پاتا، جس کی وجہ سے لوگ پریشان ہوتے ہیں۔ یہ امانت و دیانت

کے اصول کے خلاف ہے۔ اجیر عام کو چاہئے کہ وہ اتنا ہی کام لے، جتنا آسانی وقت پر کر کے دی سکتا ہے باقی کے لئے معذرت کر لے وگرنہ حدیث کے حکم کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ ہوگا۔

اسی طرح مزدور اگر اجیر خاص (private employee) ہے، تو اُس پر لازم ہے کہ جتنا وقت اُس نے اپنی خدمات کے لئے ادارے سے فروخت کر دیا ہے، اُس وقت میں ایمانداری کے ساتھ اپنا کام کرے اور مقررہ وقت میں اپنا کوئی ذاتی کام یا کسی دوسرے کام نہ کرے۔ البتہ اگر مستاجر کی طرف سے یہ اجازت حاصل ہو کہ فارغ وقت میں وہ کوئی کام بھی کر سکتا ہے، تو پھر شرعاً اس کی اجازت ہے۔ لیکن اس میں یہ خیال رہے کہ اُس کے کوئی اور کام کرنے سے ادارے کے مالک کے کام میں حرج نہ ہو رہا ہو۔ جو شخص / ادارہ کل وقت یا بعض وقت کے لئے کسی ایک شخص یا ادارے کا کام کرتا ہو اور اُس وقت میں کسی اور شخص یا ادارے کا کام نہ کر سکے، اُسے ”اجیر خاص“ کہتے ہیں۔ دفاتر اور کارخانے وغیرہ میں جو لوگ اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں عام طور پر وہ اجیر خاص ہی ہوتے ہیں۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ اگر اجیر خاص اپنا کام ایمانداری سے نہیں کرتا اور بغیر کام کئے بغیر تنخواہ لیتا ہے، تو اس کی یہ تنخواہ اُس کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

آج ہمارا معاشرہ کام سے جی چرانے کی برائی میں مجموعی طور پر گرفتار ہے۔ سرکاری اداروں سے لے کر غیر سرکاری اداروں تک میں یہ برائی سرایت کر گئی ہے۔ ایماندار، محنتی اور ذمہ دار افراد کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ بگاڑ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ وہ تو بڑے آرام کی نوکری کر رہے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں، جب جی میں آئے، آتے جاتے ہیں۔ کئی لوگ صبح صرف حاضری لگانے کے لئے آتے ہیں اور حاضری لگوا کر واپس چلے جاتے ہیں۔ کئی اسکول اور کالجز ایسے ہیں، جہاں کے

اساتذہ مہینوں کلاس میں نہیں آتے لیکن باقاعدگی سے تنخواہ لے رہے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب کچھ نہ صرف دنیاوی اداروں میں ہے بلکہ کچھ دینی اداروں میں بھی یہ کوتاہی نظر آتی ہے۔ ایسے تمام افراد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر مطالعہ حدیث مبارک پیش نظر رکھنی چاہئے، انہیں سوچنا چاہئے کہ کیا اس طرح سے حاصل شدہ آمدنی ان کے لئے جائز ہوگی؟ کیا اس آمدنی سے خریدے گئے لباس اور کھانا پینا ان کے لئے جائز ہیں؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جس کا لباس حرام کا ہو، جس کی غذا حرام کی ہو اور جس کی پینا حرام کا ہو اس کی دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں احسن انداز میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور رزقِ حلال کمانے اور حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، (امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

حدیث نمبر: 33

شراکت داری کی اہمیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَ خَرَجَتْ مِنْ بَيْنِهِمَا

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان تیسرا شریک ہوں، جب تک ان میں سے کوئی ایک خیانت نہ کرے۔ لہذا جب وہ خیانت کرے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید ختم ہو جاتی ہے اور کاروبار برکت سے محروم ہو جاتا ہے)۔

تخریج: (سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الشریکۃ، رقم الحدیث: 3385)

تشریح:

جب دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں منافع کمانے کی نیت سے یا کسی شے میں مشترکہ ملکیت قائم کرنے کے لئے شامل ہوتے ہیں، تو اسے شرعی اعتبار سے شراکت کہا جاتا ہے۔ اگر منافع کے حصول کے لئے کسی کاروبار میں شامل ہوں، تو یہ شریکیت عقد ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی شے یا جائداد میں مشترکہ ملکیت قائم کی جائے، تو یہ شریکیت ملک ہے۔ اسلام نے شراکت کو سود کے بہترین متبادل کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ شراکت پر مبنی کاروبار زیادہ سے زیادہ عام ہوں اور سود کی نحوست سے افراد اور معاشرہ دونوں محفوظ رہ سکیں۔ بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت سائب بن ابی سائب کے ساتھ شراکت پر کاروبار کیا۔ حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شراکت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین شریک تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت زیادہ نرمی فرماتے اور نہ ہی جھگڑا کیا کرتے تھے۔ شراکت کو چونکہ سود کے جائز متبادل کے طور پر پیش کیا گیا ہے لہذا اس سے بہتر طور پر مستفید ہونے کے لئے اسلام نے اس کے جملہ قواعد و ضوابط کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا تاکہ کسی شریک سے کوئی غیر شرعی اور ناپسندیدہ عمل نہ ہو سکے۔

قرآن مجید کی آیات اور احادیث کریمہ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شراکت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اُس وقت تک مہتمم بالشان اور مقبول عمل ہے، جب تک اس میں خیانت شامل نہ کی جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث مبارک سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ دراصل حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی سے مراد وہ حدیث ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ لہذا اس حدیث مبارک میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ میں شریکوں کے درمیان تیسرا ہوتا ہوں، جب تک اُن سے کوئی بھی خیانت کا مرتکب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کاروبار میں اُس کی مدد شامل حال ہوتی ہے اور کاروبار میں برکتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد اُس وقت شامل ہوگی اور برکت پیدا ہوگی، جب شرکاء کاروبار امانت و دیانت اور اخلاص نیت کے ساتھ معاملات انجام دیں۔ لیکن جیسے ہی دونوں یا اُن میں سے کوئی ایک خیانت کرتا ہے اور وہ خود غرضی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ کاروبار برکت سے بھی خالی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث مبارک میں صراحت کے ساتھ یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اگر شرکاء کاروبار خیانت کریں گے تو ان کی تجارت مٹا دی جائیگی اور اس میں برکت ختم ہو جائیگی۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے شریک کے اس مال میں خیانت کی، جس میں اس کو امانت اور حفاظت سپرد کی گئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے بری ہیں۔

شریعت نے شراکت کے کاروبار کو جس قدر بابرکت قرار دیا ہے، آج ہم اتنا ہی اس سے دور ہیں۔ لوگ شراکت پر کاروبار کرنے کی بجائے انفرادی کاروبار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یقیناً معاشرے میں اعتماد کا فقدان اور امانت و صداقت کے معیار کا پست ہونا ہے۔ شراکت سے دوری کی وجہ سے متعدد قسم کی معاشی و معاشرتی مسائل معاشرے میں جنم لے رہے ہیں، جن میں سب سے زیادہ سود کا عام ہونا ہے۔ کیونکہ جب کسی کے پاس سرمایہ موجود ہوتا ہے اور وہ اسے کسی کاروبار میں نہیں لگاتا، تو اپنے سرمایہ سے فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے لوگوں کو سود پر رقم دینے لگتا ہے۔ جبکہ شراکت کا کاروبار کرنے سے نہ صرف اُس کے مال میں جائز طریقے سے بڑھوتری بھی ہوتی اور وہ سود کی

لعنت سے بھی محفوظ ہو جاتا۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ سرمایہ داروں کو شراکت کی اہمیت اور شرعی فوائد بتائے جائیں اور انہیں شراکتی کاروبار کی رغبت دلائی جائے۔

ہم اپنے ارد گرد کاروباری حلقے میں دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر شرکاء کاروبار میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اختلافات شروع ہو جاتے ہیں، آپس میں دست و گریبان ہو جاتے ہیں اور بالآخر شراکت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال اُس وقت زیادہ پیدا ہوتی ہے، جب کاروبار میں نقصان ہو رہا ہو۔ شروع میں تو لاعلمی یا شرم و حیا کی وجہ سے نفع و نقصان کا طریقہ کار طے نہیں کرتے اور پھر بعد میں دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ پہلے سے طے نہ ہونے کی وجہ سے کئی دفعہ مضبوط شریک کمزور کو زیر دست کر کے خیانت کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ ص کی آیت نمبر 24 میں اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ شراکت میں بسا اوقات ایک شریک دوسرے کے ساتھ خیانت کر لیتا ہے اور یہ کوشش بھی کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔

روزمرہ میں اس قسم کے کئی معاملات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والے محفوظ و مامون رہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسے بلند کردار افراد کم ہی ہیں۔

شراکت کے کاروبار کی حقیقی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اسے انتہائی دیانت و امانت کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اور منافع کی تقسیم کی شرح فیصد یا تناسب میں پہلے سے طے کر لی جائے کہ منافع ہونے کی صورت میں اس کی تقسیم مثلاً 60% اور 40% کے یا 2:1 کے مطابق ہوگی۔ اور چونکہ نقصان کی تقسیم میں ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ نقصان شرکاء کے لگائے گئے سرمائے کے تناسب سے تمام شرکاء برداشت کریں گے لہذا اس

میں لگائے گئے سرمائے کے علاوہ شرح کا تعین کرنا جائز نہیں ہے۔ شراکت میں منافع و نقصان کی تقسیم کا یہ بنیادی اور اہم اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبادک سے ماخوذ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الربح علی ما شرطاً والوضیعة علی قدر المالین یعنی منافع کی تقسیم شرکاء کی شرط کے مطابق ہوگی، جبکہ نقصان دونوں کے لگائے گئے سرمائے کے مطابق ہوگا۔

منافع کی تقسیم میں عام طور پر یہ کوتاہی بھی بہت زیادہ مشاہدے میں آئی ہے کہ کسی ایک شریک کا حصہ اس طرح مقرر کر دیا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی منافع ہوگا، اُس میں سے اتنا مثلاً پانچ ہزار اس کا ہوگا اور باقی دوسرے شریک کا۔ یہ جتنی پیداوار ہوگی، اُس میں اتنی مثلاً ایک ہزار ایک شریک کی اور باقی دوسرے کی وغیرہ۔ یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شریک کے لئے جتنا مقرر کیا گیا ہے اتنا ہی منافع ہو یا اتنی ہی پیداوار ہو تو ایسی صورت میں دوسرے شریک کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ ہمارے ہاں شراکت میں ان اہم باتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس شریک کا حصہ شروع میں مقرر کر دیا جاتا ہے، وہ کسی قسم کے خطرات نہیں لیتا بلکہ کاروبار میں نفع و نقصان دونوں صورتوں میں وہ اپنا پہلے سے طے شدہ حصہ لے لیتا ہے۔ حالانکہ یہ شرعی اصول ہے کہ **الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ** یعنی نفع خطرات لینے پر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کاروبار میں منافع لینے کا حقدار وہی ہوگا، جو کاروبار میں خطرات کو برداشت کرنے پر راضی ہو۔ اگر کوئی شخص کسی قسم کے خطرات و نقصان کے بغیر کاروبار میں سرمایہ شامل کرتا ہے، تو یہ شراکت نہیں ہوگی بلکہ شرعی اعتبار سے یہ سمجھا جائے گا کہ اُس نے کاروبار کرنے کے لئے دوسرے شریک یا شرکاء کو قرض دیا ہے لہذا اب وہ کوئی فائدہ نہیں لے سکتا کیونکہ قرض پر کسی بھی قسم کا منافع سود ہے۔ الغرض شراکت میں برکت اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل کرنے کے لئے

ضروری ہے کہ یہ شرعی اصولوں کے مطابق کی جائے وگرنہ بجائے فائدے کے نقصان ہوگا۔

حدیث نمبر: 34

مضاربت کے کاروبار میں برکت ہے۔

عَنْ صُهَيْبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَهَةُ، الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ، وَالْمُقَارَضَةُ وَإِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ

ترجمہ:

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں میں برکت ہے، ادھار خرید و فروخت، مقارضہ یعنی مضاربت اور گندم اور جو کی ملاوٹ اپنے گھر کے استعمال کے لئے نہ کہ تجارت کے لئے۔

تخریج: (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الشركة والمضاربة، رقم الحدیث: 2377)

تشریح:

درج بالا حدیث مبارک میں جن تین چیزوں میں برکت کے بارے میں آگاہ کیا جا رہا ہے، ان میں سے ایک مضاربت کا کاروبار ہے۔ ایک حدیث میں اسی طرح کی خوشخبری شراکت کے کاروبار کرنے والوں کی بھی دی گئی ہے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے۔ لیکن یہ برکت اسی وقت تک قائم رہے گی، جب تک کہ مضاربت کو ایمان داری اور صداقت کے مطابق انجام دیا جائے وگرنہ پھر مضاربت برکت سے خالی رہ جائے گی۔

مضاربت بھی دراصل شراکت ہی کی ایک صورت میں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شراکت میں تمام شرکاء کاروبار میں اپنا سرمایہ لگاتے ہیں اور اسی طرح شرکاء کاروبار میں

عملی حصہ بھی لے سکتے ہیں جبکہ مضاربت میں ایک فریق صرف سرمایہ لگاتا ہے اور دوسرا فریق اُس سرمائے کو کسی کاروبار میں لگا کر اپنی مہارت اور محنت سے منافع حاصل کرتا ہے اور فریقین حاصل شدہ منافع کو پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد کے اعتبار سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ مضاربت میں جو فریق اپنا سرمایہ کاروبار میں لگاتا ہے، اُسے رب المال یعنی مال والا کہا جاتا ہے اور جو فریق اُس سرمائے سے کاروبار کرتا ہے، اُسے مضارب کہتے ہیں۔

مضاربت کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی حکم ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے فقہاء کرام نے مضاربت کے جواز کو سورہ جمعہ کی درج ذیل آیت کریمہ سے ثابت کیا ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ☆ ترجمہ: ”پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور پھر اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ، (سورہ جمعہ، آیت نمبر 10)۔“ علمائے کرام نے فرمایا کہ چونکہ مضارب بھی مضاربت کا مال لے کر زمین پر سفر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرتا ہے لہذا یہ معاملہ جائز ہے۔ لہذا اس آیت کریمہ کے لفظ ”فضل“ سے مضاربت کے جائز ہونے کا پتا چلتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال مضاربت کے اصول کے تحت ہی شام کی منڈی میں فروخت کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس طرح کا معاملہ کرتے ہوئے دیکھا لیکن منع نہیں فرمایا، نیز حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت حکیم ابن حزام، حضرت جابر بن عبداللہ اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان اس پر عمل پیرا رہے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک یتیم کے مال کو مضاربت پر لگا کر اُس

سے منافع حاصل کیا، جس کی وجہ سے یتیم کے مال میں اضافہ ہوا۔

مضاربت عام طور پر دو طریقوں سے کی جاتی ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ رب المال کی جانب سے وقت اور مکان کا تعین نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی خاص کاروبار کے کرنے کی شرط عائد کی جاتی ہے، بلکہ رب المال نے صرف سرمایہ فراہم کر دیا ہو اور مضارب اپنی صوابدید پر اس سے جو چاہے، جائز تجارت کرے۔ مضاربت کی یہ صورت مضاربت مطلقہ کہلاتی ہے۔ مضاربت مطلقہ میں مضارب کو ہر قسم کے حلال کاروبار کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور مضارب ہر اس طریقے کو اپنا سکتا ہے، جسے عرف عام میں تاجر حضرات انجام دیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی اور کو یہ سرمایہ مضاربت پر دینا چاہتا ہے اور اس سے شراکت کرنے کا متمنی ہے تو رب المال سے پیشگی اجازت لینا ضروری ہے، اسی طرح مضاربت کے مال میں اپنا مال ملانے کے لئے بھی رب المال کی اجازت ضروری ہے۔ مضاربت مطلقہ میں مضارب اپنی مرضی سے مضاربت کے لئے سفر بھی کر سکتا ہے، لیکن سفر اس وقت کر سکتا ہے جب بظاہر کوئی خطرہ نہ ہو، اور اگر راستہ خطرناک ہو تو مضاربت کا مال اس راستہ سے نہیں لے جاسکتا وگرنہ مضارب ضامن ہوگا۔

مضاربت کی دوسری صورت یہ ہے کہ رب المال کی طرف سے مضارب کو کسی مخصوص کاروبار یا مخصوص جگہ میں کاروبار کرنے کا پابند کر دیا گیا ہو۔ یہ مضاربت مقیدہ کہلاتی ہے۔ مثلاً یہ کہہ دیا ہو کہ صرف لاہور میں کاروبار کیا جائے اور سرمایہ کاری صرف ٹیکسٹائل مل میں کی جائے تو اب مضارب پر یہ لازم ہے کہ وہ رب المال کی بتائی ہوئی جگہوں میں اور کاروبار میں سرمایہ لگائے وگرنہ نقصان کی صورت میں مضارب ضامن ہوگا۔

مضاربت کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ فریقین معاہدے کے وقت ہی منافع کی تقسیم کی شرح آپس میں طے کر لے۔ شراکت کی طرح یہاں بھی کسی مخصوص رقم

پر معاہدہ کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ فیصد یا تناسب کے اعتبار سے منافع تقسیم ہوگا۔ البتہ نقصان ہونے پر یہ اصول مسلمہ ہے کہ سرمائے کا نقصان رب المال برداشت کرے گا اور مضارب اپنی محنت کا نقصان برداشت کرے یعنی اسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

حدیث نمبر: 35

مزارعت (زمین بٹائی پر دینا)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَمَّا أُفْتِيَتْ خَيْبَرُ سَأَلَتْ يَهُودَ دَرَسُورَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقَرَّهُمْ فِيهَا عَلَى أَنْ يَعْمَلُوا عَلَى نِصْفِ مَا خَرَجَ مِنْهَا مِنَ الثَّمَرِ وَالزَّرْعِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ أَقْرُكُمْ فِيهَا عَلَى ذَلِكَ مَا شِئْنَا

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب خیبر فتح ہوا، تو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو خیبر میں برقرار رکھا جائے، وہ زمینوں پر اس شرط کے ساتھ کام کرتے رہیں کہ زمینوں سے جو پھل یا کھیتی پیدا ہوگی، اس کا آدھا حصہ وہ مسلمانوں کو دیا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اس وقت تک ان زمینوں پر برقرار رکھتا ہوں، جب تک ہم چاہیں گے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزروع، رقم

الحدیث: 4047)

تشریح:

اگر کسی شخص کے پاس زرعی زمین ہو، تو اس سے فائدہ حاصل کرنے کے کئی

طریقے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ زرعی زمین پر خود کاشت کرے اور اگر وہ خود کاشت نہیں کرتا تو پھر سب سے بہتر تو یہی ہے کہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو اس زمین پر کسی معاوضے کے بغیر زراعت کی اجازت دیدے یا پھر اُسے اجرت پر زمین دیدے اور اُس کی پیداوار سے کوئی سروکار نہ رکھے اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زمین کسی کاشتکار کے حوالے اس شرط کے ساتھ کر دے کہ زمین کی متوقع پیداوار میں سے کچھ مثلاً 40% یا ایک تہائی زمیندار کا ہوگا اور 60% یا دو تہائی کاشتکار کا ہوگا۔ زمین سے پیداوار حاصل کرنے کا یہ طریقہ کار مزارعت کہلاتا ہے۔ لہذا مزارعت سے مراد یہ ہے کہ زمین ایسے شخص کے حوالے کر دینا، جو اُس پر کاشتکاری کرے اور اُس سے حاصل شدہ پیداوار کو دونوں آپس میں طے شدہ تناسب سے تقسیم کر لیں۔ بعض اوقات مزارعت کو ”زمین بٹائی پر دینا“ بھی کہا جاتا ہے۔

زیر مطالعہ حدیث مبارک کی رُو سے مزارعت ایک جائز معاہدہ ہے، جس کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور اس پر نہ صرف عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عمل ہوتا رہا بلکہ صحابہ کرام اور بعد کے زمانے میں بھی ہوتا رہا۔ احادیثِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مزارعت کا جو طریقہ کار مروج تھا، اُس میں کئی طرح کی شرعی قباحتیں موجود تھیں۔ اُس زمانے میں مزارعت اس طرح ہوتی تھی کہ زمیندار پیداوار میں سے اپنے لئے پہلے ہی سے متعین مقدار مقرر کر لیتا کہ میں متوقع پیداوار میں سے اتنے من اوں گا اور باقی کاشتکار کے لئے۔ یا کاشت شدہ زمین کے فلاں حصے کی پیداوار میری ہوگی اور باقی کاشتکار کی وغیرہ۔ پہلی صورت میں شرعی اعتبار سے یہ قباحت تھی کہ معلوم نہیں زمین کی کل پیداوار ہی اتنی ہو یا اُس سے کم ہو تو دو صورتوں میں زمین دار کو کچھ بھی نہیں ملے گا حالانکہ اُس پیداوار کو لانے میں اُس نے خون پسینہ بہایا ہے۔ اور دوسری صورت میں یہ قباحت ہے کہ ممکن ہے کہ صرف اُسی جگہ پیداوار ہو یا نہ ہو۔ پہلی صورت میں

صرف زمیندار کو فائدہ ہوگا اور دوسری صورت میں صرف کاشتکار کو فائدہ ہے اور یہ دونوں جائز نہیں۔ لہذا ان وجوہات کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت میں مروج مزارعت کی صورتوں کو ناجائز قرار دے کر صحیح صورت کو بیان فرمادیا۔

آج بھی دیہاتوں میں مزارعت کا وہ طریقہ کار اپنایا جا رہا ہے، جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ زمیندار کاشتکاروں کو پیداوار کی ایک متعین مقدار کے عوض زمین دیتے ہیں اور پیداوار آنے پر اپنا حصہ لے لیتے ہیں، جس کی وجہ سے کئی دفعہ کاشتکاروں کو کچھ نہیں ملتا اور محنت کرنے کے باوجود وہ مفلوک الحال اور دوسروں کے دست نگر بنے رہتے ہیں۔ یہ ظلم اور استحصال کی بدترین شکل ہے۔ جن احادیث کریمہ میں مزارعت کی مذمت بیان کی گئی ہے، وہاں اس سے مراد اسی قسم کی مزارعت ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جہالت پر مبنی مزارعت کے مروجہ طریقہ کار کی حوصلہ شکنی کی جائے اور درست و شرعی مزارعت کے بارے میں زمینداروں اور کاشتکاروں میں آگہی پیدا کی جائے۔ ذیل میں اسی مقصد کے تحت مزارعت کے درست ہونے کی شرائط درج کی جا رہی ہیں۔

- (1) زمین قابل زراعت ہو یعنی ایسی زمین، جس میں سیم تھور یا کسی اور وجہ سے زراعت کرنا ممکن نہ ہو اس زمین کو مزارعت پر دینا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن ایسی زمین جو وقت معاہدہ کسی وجہ سے مثلاً پانی نہ ہونے کی وجہ سے قابل کاشت نہ ہو لیکن جس وقت کسان اس پر کام شروع کرے گا، اس وقت تک وہ کاشت کے قابل ہو جائیگی تو اس پر مزارعت کا معاہدہ کرنا جائز ہوگا۔ (2) صاحب زمین اور مزارع دونوں اہل عقد میں سے ہوں۔ (3) جو زمین مزارعت پر دی جا رہی ہے، اس کی تعیین بھی ضروری ہے۔ (4) جس مدت کیلئے معاہدہ کیا جا رہا ہے اس کا تعیین کرنا بھی ضروری ہے۔ عام طور پر ایک سال یا ایک فصل کا معاہدہ کیا جاتا ہے۔ (5) اس کا تعیین کہ بیج کون مہیا کرے گا۔ (6) بیج کی جنس کا تعیین کہ کھیت میں کس قسم کا

بیج استعمال کیا جائیگا۔ (7) معاہدہ کی تکمیل کے بعد مزارع کو زمین پر مکمل قبضہ دینا تا کہ وہ اپنی صوابدید پر زمین پر آزادی کے ساتھ کاشتکاری کر سکے۔ (8) زمین سے حاصل پیداوار پر دونوں کے حصے کا تعین فیصد یا تناسب کے اعتبار سے ہو۔

مزارعت ہی کی طرح کا ایک اور معاہدہ بھی ہے، جو پھلدار درختوں پر کیا جاتا ہے اور وہ مساقات ہے۔ یہ شرکت کی ایک ایسی شکل ہے، جس میں درخت ایک فریق کا ہوتا ہے اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش دوسرا فریق کرتا ہے اور جو پھل آئے، وہ آپس میں تقسیم کر لئے جاتے ہیں۔ چونکہ دیہاتوں میں مساقات کا معاہدہ بھی عام ہے لہذا اس کی اہمیت کے پیش نظر مساقات کی شرائط بھی درج کی جا رہی ہیں:

(1) فریقین کا عاقل ہونا۔ (2) مزارعت کی طرح مساقات میں بھی فریقین کے حصوں کا تناسب یا فیصد کے اعتبار سے متعین ہونا۔ (3) درختوں کا مالی کے سپرد کر دینا تا کہ وہ آزادی کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کر سکے۔

مساقات اگر اپنی تمام شرائط کے ساتھ ہو، تو پیداوار ہونے کی صورت میں وہ پہلے سے طے شدہ قاعدے کے مطابق تقسیم ہوگی لیکن اگر کسی وجہ سے مساقات فاسد ہو جائے، تو پھر ساری پیداوار درختوں کے مالک کی ہوگی اور عامل (کام کرنے والا) صرف اجرت مثل کا حقدار ہوگا بشرطیکہ اجرت مثل طے شدہ فیصد یا تناسب سے زیادہ نہ ہو۔ مثلاً معاہدہ میں یہ طے ہوا تھا کہ پیداوار فریقین کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگی۔ اس طریقہ سے مالی کا حصہ دس من آیا لیکن مزارعت کسی وجہ سے فاسد ہوگئی لہذا جب اجرت مثل معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ دس من یا اس سے کم ہے تو عامل کو اس کے مطابق دے دیا جائیگا لیکن اگر اجرت مثل دس من سے زائد ہوئی تو پھر دس من ہی ملیں گے زائد نہیں۔

حدیث نمبر: 36

کھیتی باڑی کی فضیلت

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بھی پودے لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے پرندے یا انسان یا چوپائے کھاتے ہیں، تو وہ اُس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب فضل الغرس والزرع، رقم الحدیث: 4055)
تشریح:

رزقِ حلال کے حصول کے ذرائع میں ایک ذریعہ کھیتی باڑی بھی ہے۔ زراعت کے ذریعے نہ صرف انسانوں کی غذائی اور دیگر ضرورتیں پوری ہوتی ہیں بلکہ دوسرے جاندار بھی اس سے اپنی کئی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی باڑی کی فضیلت کو بیان فرمایا کہ کھیتی میں اُگنے والے اناج سے جب انسان، چرند پرند اور دیگر حیوانات کھاتے ہیں تو اُن کا یہ کھانا اُگانے والے کے لئے صدقہ جاریہ بن جاتا ہے یعنی ہمیشہ اُسے ثواب ملتا رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں کھیتی باڑی کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث مبارک میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ زمین کے پوشیدہ خزانوں سے رزق تلاش کرو اور یہاں پوشیدہ خزانے سے مراد زراعت، ماہی گیری اور کان کنی ہے۔ ان احادیث کریمہ

سے یہ معلوم ہوا کہ کھیتی باڑی کرنے کے دو فوائد ہیں۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ کرنے والے کے لئے صدقہ جاریہ بن جاتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے رزق بھی حاصل ہوتا ہے۔ لہذا جب کسی کے پاس زمین ہو، تو اُس پر لازم ہے کہ کاشتکاری کے ذریعے اُسے کارآمد بنائے، اُس پر محنت کرے اور بار آور بنائے اور بغیر کاشت اُسے نہ چھوڑے۔

شریعت کا عام اصول یہ ہے کہ ”اعمالِ صالحہ پر اجرِ آخرت کا مدار نیت پر ہے“ یعنی یہ کہ کسی شخص نے وہ عملِ صالح کس نیت سے کیا ہے۔ مگر اس حدیثِ مبارک میں اس ضابطے سے ماوراء غیر معمولی اجر کی بشارت ہے کہ درخت لگانے والے یا زمین میں فصل کاشت کرنے والے کا تو مقصد ذاتی منفعت ہوتا ہے نہ یہ کہ اس سے جانور، چرند پرند یا حشرات الارض کھائیں، بلکہ بعض اوقات ان سے تحفظ کے انتظام کرتا ہے، نگہداشت کے لئے چوکیدار یا کتا رکھتا ہے، تحفظ کے لئے جنگل یا بازار لگاتا ہے، سنڈی وغیرہ اور چرند پرند سے بچانے کے لئے زہریلی دواؤں کا چھڑکاؤ کرتا ہے۔ مگر چونکہ اس کی محنت سے اللہ کی ان مخلوق کو روزی ملتی ہے اور ان کے رزق کا وسیلہ بن جاتا ہے، اس لئے درخت یا فصل لگانے والے کو اجر ملتا ہے۔

قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے زراعت کے ذریعے حاصل ہونے والے اجناس کو اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **أَفْرَاءَ يُتْمَمُ مَا تَحْرُثُونَ** ☆ **أَنْتُمْ تَزْرَعُونَ** **أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ** ☆ **لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ** ☆ **إِنَّا لَمُغْرَمُونَ** ☆ **بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ** ☆ ترجمہ: اچھا ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم جو کچھ (زمین میں) بوتے ہو۔ اُسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہم پر تاوان ہی پڑ گیا بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ

گئے، (سورہ واقعہ، آیت: 63, 64, 64)۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ
بِهِ زُرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيَجُ فِتْرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطًا مَا طِائِنٌ فِي
ذَلِكَ لَذِكْرٍ لِّلَّهِ لِيُولِيَ الْآلِبَابِ ☆

ترجمہ: ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اسے زمین کی
سوتوں میں پہنچاتا ہے پھر اسی کے ذریعے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی
ہے اور آپ انہیں زرد رنگ میں دیکھتے ہیں پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، اس میں عقل
مندوں کیلئے بہت زیادہ نصیحت ہے، (سورہ زمر، آیت: 21)۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُمْ مِنْهُ شُرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ
☆ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ
طِائِنٌ فِي ذَلِكَ لَا يَفْكَرُونَ ☆

ترجمہ: ”وہی تمہارے فائدے کے لئے آسمان سے پانی برساتا ہے، جسے تم پیتے ہو اور اسی
سے اگے ہوئے درختوں کو تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو اسی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور
زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بے شک ان لوگوں کے لئے تو اس میں
بڑی نشانی ہے اور جو غور و فکر کرتے ہیں، (سورہ نحل، آیت: 10, 11)۔“

ایک اور حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الْتَمِسُوا الرِّزْقَ مِنْ خَبَايَا الْأَرْضِ يَعْنِي زَمِينِ كَيْ يَشْتَدَّ خَزَانُونَ مِنْ رِزْقِ تَلَّاسِ كَيْ
كِرُو (پوشیدہ خزانے سے مراد زراعت، ماہی گیری اور کان کنی وغیرہ ہے)، (ترمذی
شریف)۔

حدیث نمبر: 37

ناحق کسی کی زمین پر قبضہ کرنے پر وعید

عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللَّهُ أَيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ

أَرْضِينَ

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ناحق کسی کی ایک بالشت برابر زمین پر قبضہ کیا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق (بطور سزا) اُسے پہنائے گا۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الارض وغيرها، رقم الحدیث: 4217)

تشریح:

اس حدیث مبارک میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو جس نے کسی کی ایک بالشت بھر زمین پر ناحق قبضہ کیا ہو، اُسے خبردار کیا کہ قیامت کے دن زمین کے اس چھوٹے سے خطے کی وجہ سے ایک شدید عذاب میں مبتلا ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اُسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ دنیا میں اگر کوئی ہلکی سی شے کسی کی گردن میں لٹکادی جائے تو اُس کا چلنا پھرنا دو بھر ہو جاتا ہے، وہ تکلیف سے کراہ رہا ہوتا ہے اور کوشش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد اُس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے تو کوئی قیامت کے دن سات زمینوں کے طوق کا بوجھ کیسے برداشت کر سکے گا۔ ایک حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی شدید الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ سنو، ظلم نہ کرو، خبردار! کسی کا مال اُس کی رضا مندی اور خوشی

کے بغیر جائز نہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی ذرہ برابر زمین پر ناحق قبضہ کر لے، تو وہ قیامت کے دن سات زمینوں میں دھنسا دیا جائے گا۔ حدیث مبارک میں تو یہاں تک آیا ہے کہ کوئی شخص کسی کی زمین پر اگرچہ قبضہ نہیں کرتا، صرف اُس کی اجازت کے بغیر اُس میں کاشتکاری کر لیتا ہے تاکہ اناج حاصل ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت ارشاد فرمائی اور پیداوار پر زمین کے حقیقی مالک کا حق قرار دیا البتہ حقیقی اخراجات کاشتکار کو دیئے جائینگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے شخص سے کوئی زمین ظلماً چھین لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہوگا۔ غصب کی اس قدر مذمت دراصل اس لئے بیان کی گئی ہے کہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اس کی وجہ سے مسلمان بھائی کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ دین کی نگاہ میں حقوق العباد کی بہت اہمیت ہے۔ دین کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق اللہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف ہو سکتا ہے لیکن حقوق العباد کی معافی اُس وقت تک نہیں ہوگی، جب تک صاحب حق کا حق نہ مل جائے یا وہ معاف نہ کر دے۔

آج ہمارے معاشرے میں زمینوں اور پلاٹوں پر قبضہ کرنا ایک معمولی بات ہے۔ باقاعدہ زمینوں پر قبضہ کرنے کے لئے گروہ بن چکے ہیں، ایک زمین کا ٹکڑا کئی کئی لوگوں سے فروخت کر دیا جاتا ہے۔ زمینوں پر ناجائز قبضہ کرنے کے لئے لوگوں کی جانیں لے لی جاتی ہیں۔ ایک گروہ زمینوں پر قبضہ کر کے غریبوں کی محنت و مشقت کی کمائی کو ہتھیالیتا ہے، تو دوسرا گروہ قبضہ چھڑانے کا کہہ کر غریبوں سے پیسے بٹورتا ہے جبکہ دونوں گروہ کا آپس میں گٹھ جوڑ ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے مسجدوں، مدارس دینیہ، عوامی پارکوں اور دیگر فلاحی زمینوں پر بھی قبضہ کرنے

سے نہیں رکتے۔ زمین پر قبضے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی زمین فروخت کرنا نہیں چاہتا لیکن دوسرا شخص زبردستی جو روجر سے اُس کی زمین خرید لیتا ہے۔ یہ بھی قبضے کی ایک صورت ہے جو کہ ناجائز ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں توسیع کی جائے۔ مسجد نبوی کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے بات کی، تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جگہ دینے پر راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ یہ معاملہ عدالت تک پہنچ گیا۔ فریقین میں ایک طرف حکومت ہے اور دوسری طرف حضرت عباس۔ چونکہ زمین حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملکیت تھی لہذا عدالت نے اُن کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلے کے آنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر قیمت ہی کے اپنا مکان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع کے لئے دے دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مکان دینا ہی تھا تو پہلے ہی کیوں نہ دے دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ اسلام کسی کے حق ملکیت کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات مساجد و مدارس کے نام پر بھی زمینوں پر قبضہ کیا جاتا ہے، یہ بھی جائز نہیں۔ لہذا زمین پر کسی طرح بھی ناجائز اور ظلم و تعدی کے ساتھ قبضہ کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ درج بالا احادیث مبارکہ اور واقعات کا بار بار مطالعہ کریں اور پھر سوچیں کہ وہ اپنے لئے کتنی بڑی تباہی و بربادی کا انتظام کر رہے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ فوراً سچے دل سے توبہ کریں، جس کی زمین پر قبضہ کیا ہے، اُسے واپس کریں اور اگر زمین کا مالک انتقال کر چکا ہے، تو زمین اُس کے ورثاء کے حوالے کریں۔ یہ ذہن میں رہے کہ حقوق العباد کی کوتاہی صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتی جب تک کہ جس کا حق مارا گیا ہے، اُسے اُس کا حق نہ پہنچا دیا جائے۔

بعض افراد معلوم ہونے کے باوجود ایسی ہی قبضہ شدہ زمینوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں، انہیں یہ جاننا چاہئے کہ ایسی زمینوں کو خریدنا اور پھر انہیں آگے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین پر غاصب کی ملکیت ہی نہیں ہوتی حالانکہ بیچنے کے لئے چیز کا مالک ہونا ضروری ہے لہذا جب وہ مالک ہی نہیں تو آگے فروخت کرنے کا مجاز بھی نہیں ہے۔ اسی طرح خریدار بھی اس کا مالک نہیں ہوگا کیونکہ جس سے وہ چیز خرید رہا ہے، وہ اصل مالک نہیں بلکہ غاصب ہے۔ عام طور پر لوگ اس اہم مسئلے پر توجہ نہیں دیتے اور زمین خرید کر گناہ گار ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ زمین کا اصل مالک سامنے آجاتا ہے اور زمین کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو دھوکے باز فروخت کنندہ غائب ہو جاتا ہے، اس طرح سادہ لوح خریدار غاصبوں کے دھوکے میں آکر اپنی ساری زندگی کی جمع پونجی گنوا دیتے ہیں۔

ناحق زمین پر قبضہ کرنے کی مذمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب اسلام نے جائز طریقے سے دولت کمانے سے منع نہیں کیا، کوئی بھی شخص شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے دولت جمع کر سکتا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ذہنی و جسمانی صلاحیتوں سے بھی نوازا تا کہ وہ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دولت کما سکتا ہے تو پھر دولت کمانے کا یہ ناجائز ذریعہ کیوں اختیار کیا جائے اور ان کی اجازت کیوں دی جائے؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** (ترجمہ: ترجمہ: ”اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ تمہاری رضامندی سے تجارت ہو، (سورہ نساء، آیت: 29)۔“

حدیث نمبر: 38

مال تجارت پر زکوٰۃ

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الذِّئْبِ نَعِدُّهُ لِلْبَيْعِ

ترجمہ:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے لئے یہ حکم تھا کہ ہم اموال تجارت کی زکوٰۃ ادا کیا کریں۔

تخریج: (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب العروض اذا كانت للتجارة هل فیما من زکوٰۃ، رقم

الحدیث: 1564)

تشریح:

زیر مطالعہ حدیث مبارک میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال تجارت پر زکوٰۃ نکالنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے آگاہ کر رہے ہیں۔ زکوٰۃ دین کے بنیادی پانچ ستونوں میں سے ایک ہے اور مالی عبادتوں میں سب سے مقدم ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن و احادیث میں نماز کے بعد جس عمل کے کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، وہ زکوٰۃ ہے۔ گویا نماز تمام بدنی جبکہ زکوٰۃ تمام مالی عبادتوں کی اصل ہے۔ زکوٰۃ کی اسی اہمیت کے پیش نظر شریعت مطہرہ نے تمام قابل زکوٰۃ اشیاء اور ان کے نصاب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

آج تجارتی معاملات میں جہاں دیگر خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، وہاں ایک خرابی یہ

بھی ہے کہ تاجر حضرات اپنے مال تجارت پر زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو بروقت اور پوری ادائیگی نہیں کرتے۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے پورا کاروبار بے برکت ہو کر رہ جاتا ہے اور بالآخر ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقات و زکوٰۃ کو بڑھاتا ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اور اس میں کمی واقع ہو جائے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کر کے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا بلکہ قرآن مجید کے مطابق زکوٰۃ دراصل غرباء و مساکین کا حق ہے، جو ان تک پہنچایا جاتا ہے۔ لہذا زکوٰۃ نہ دینا دراصل غرباء و مساکین کا حق تلف کرنا ہے۔ زکوٰۃ گردشِ دولت کا بہترین ذریعہ ہے۔ ماہرینِ معاشیات کہتے ہیں کہ اگر ہر تاجر ایمان داری اور باقاعدگی سے ہر سال زکوٰۃ کی رقم ادا کرتا رہے تو ملک میں غربت و افلاس میں خاطر خواہ کمی آئے گی، جس کے ملکی معیشت پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹوں پر زکوٰۃ ہے اور بکریوں پر زکوٰۃ ہے اور گائے پر بھی زکوٰۃ ہے اور تجارت کے کپڑے پر بھی زکوٰۃ ہے، (دارقطنی، باب لیس فی الخضروات صدقہ)۔ اس حدیث مبارک میں اونٹوں، بکریوں اور گائے پر زکوٰۃ کے علاوہ اگرچہ صرف تجارتی کپڑے پر زکوٰۃ کا ذکر ہے لیکن فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ تجارتی کپڑے کے علاوہ دیگر مال تجارت پر بھی سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں تاجروں کا مال اکٹھا کر کے اور باقاعدہ حساب کر کے ان تمام اموال کی زکوٰۃ وصول کیا کرتے تھے۔ آپ ہی کے دورِ خلافت میں ایک شخص جن کا نام ابو عمرو بن حماس تھا، چمڑے کے ترکش اور تیر بنایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں

ان صنعتی اشیاء کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو ابو عمر و کہنے لگے کہ میرے پاس ان کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ قَوْمَهَا ثُمَّ اَدِّ زَكْوَتَهَا یعنی ان کا حساب لگاؤ اور پھر زکوٰۃ ادا کرو، (الام للشافعی)۔

یہ تو زکوٰۃ کے چند معاشی اور معاشرتی و تمدنی فوائد ہیں، جبکہ روحانی اور دینی اعتبار سے فوائد کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے مال کے تزکیہ (purification) کے ساتھ ساتھ قلب و روح کا بھی تزکیہ ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر یہ کی سب سے بہترین اور اعلیٰ ترین صورت ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کریمہ کے مطابق مال ایسی شے ہے، جس کی وجہ سے دلوں میں دنیا کی محبت بیٹھ جاتی ہے اور انسان اس کا ہی بن کر رہ جاتا ہے لہذا زکوٰۃ ادا کرنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دل سے دنیا کی محبت کم اور آخرت کی طرف توجہ زیادہ مرکوز ہو جاتی ہے۔ اور یہ اخروی اور ابدی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی مسلمان کو بخل، تنگ دلی، خود غرضی، بغض و عناد، حسد اور استحصالی سوچ جیسی اخلاقی اور روحانی بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث شریف کی روشنی میں مال تجارت پر زکوٰۃ کے بارے میں کچھ تفصیلات درج کی جا رہی ہیں۔ مسلمان تاجر کی ملکیت میں خام مال (raw material)، تیار شدہ مال (finished goods)، نقد رقم، قابل وصول رقم (receivable) اور بینک ڈیپازٹس (bank deposits) کی صورت میں جو بھی مال تجارت ہے، اُن سب پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ البتہ وہ اشیاء جو صنعت و تجارت میں عامل پیداوار (factor of production) کے طور پر استعمال ہو رہی ہوں، اُن پر زکوٰۃ نہیں ہے مثلاً اشیاء پیدا کرنے والی مشینری، دفتر کا فرنیچر، جگہ اور گودام اور دیگر آلات وغیرہ۔ البتہ اگر کسی کمپنی

میں مشینری، بار برداری کے لئے گاڑیاں (loading vehicles)، فرنیچر اور دیگر آلات وغیرہ فروخت کرنے کے لئے پیدا کی جا رہی ہیں، تو یہ اب عامل پیداوار نہیں رہیں گی بلکہ یہ مال تجارت شمار ہو کر قابلِ زکوٰۃ ہو جائیں گی۔

مال تجارت پر زکوٰۃ کی ادائیگی میں قابلِ زکوٰۃ رقم معلوم کرنے کے لئے اُن اشیاء کی موجودہ بازاری قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا یعنی قیمت خرید کا اعتبار نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی شخص نے ایک لاکھ روپے کا مال تجارت خریدا اور جب اس مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہوئی تو اُس وقت اُس کی قیمت فروخت ایک لاکھ دس ہزار ہوگئی یا قیمت کم ہو کر نوے ہزار ہوگئی تو دونوں صورتوں میں قیمت فروخت زیادہ ہو یا کم کا اعتبار ہوگا قیمت خرید ایک لاکھ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ اگر فروخت کرنے کی نیت سے ہوں، تو مال تجارت ہونے کی وجہ سے ان پر بھی زکوٰۃ ہوگی لیکن اگر یہ ہل جوتے اور دودھ کے حصول کے لئے ہوں، تو پھر ان پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ اس وقت یہ عامل تجارت کی طرح ہوگی البتہ ان سے حاصل شدہ آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی اگر وہ زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچیں۔

حدیث نمبر: 39

زمین کی پیداوار پر عشر

عَنْ سَالِمِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ سَنَّ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَشْرِيَا الْعُشْرَ وَفِيمَا سَقَى بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ

ترجمہ:

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جاری فرمایا

تھا کہ جس زمین کو آسمان یا چشموں نے سیراب کیا یا عشری ہو یعنی نہر کے پانی سے اسے سیراب کرتے ہوں اُس میں عشر ہے اور جس زمین کے سیراب کرنے کے لئے جانور پر پانی لا کر لاتے ہوں اُس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔

تخریج: (سنن ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء فی الصدقة فیما یسقی بالانهار وغیرہ، رقم

الحدیث: 641)

تشریح:

عشر کے لغوی معنی ”دسویں حصہ“ کے ہیں اور اس سے مراد وہ زکوٰۃ ہے، جو زمین کی پیداوار پر ادا کی جاتی ہے۔ مذکورہ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قابل کاشت زمین کی دو صورتیں بیان فرما کر اُن کے احکام واضح کر دیئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زمین بارانی یعنی بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہو، تو اُس سے حاصل شدہ پیداوار کا دسواں حصہ عشر کے طور پر دینا واجب ہے۔ لیکن اگر زمین کو خود سیراب کیا جاتا ہے تو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ دینا واجب ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اُس شے میں جسے زمین نے نکالا عشر یا نصف عشر ہے۔

مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمن صاحب نے زمینوں کی دونوں

قسموں کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

بارانی زمین: جس میں کاشت کار کو موسمی اور علاقائی خصوصیات کے وجہ سے زمین کو سیراب کرنے میں بہت زیادہ محنت و مشقت نہیں اٹھانا پڑتی، سیرابی کے لئے کاشتکار کو ٹیوب ویل وغیرہ لگانے اور اس پر سرمایہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ وہ بارش کے پانی، قدرتی چشموں، زمین کی نمی اور دریاؤں کے پانیوں کی وجہ سے از خود سیراب ہوتی رہتی

ہے، ایسی زمین کی پیداوار پر عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ عائد کیا گیا ہے۔

البتہ پہاڑی ندی نالوں میں بارش اور قدرتی چشموں کا پانی ہوتا ہے اور ان کے اطراف کی زمین کا کچھ حصہ سیراب ہوتا ہے، وہ زمین بارانی کہلاتی ہے۔ آج کل بڑے دریاؤں پر ڈیم یا بیراج بنا کر نہریں نکالی جاتی ہیں اور ان کے ذریعے جو زمین سیراب ہوتی ہے، چونکہ زمیندار یا کاشتکار کو اس پانی کا آبیانہ (irrigation tax) دینا پڑتا ہے لہذا اس طرح دریائی پانی کے استعمال والی زمینیں بارانی نہیں رہیں، بلکہ نہری زمینیں بن گئی ہیں اور یہ غیر بارانی ہیں۔

غیر بارانی زمین: جس کو سیراب کرنے کے لئے کاشتکار کو مشقت کے ساتھ ساتھ محنت کے ذریعے یا قیمتاً پانی حاصل کرنا پڑے، مثلاً ٹیوب ویل یا رہٹ کے ذریعے پانی حاصل کرتا ہے یا پانی کے حصول کے لئے پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے یا نہری پانی کا ٹیکس یا آبیانہ (irrigation Tax) دیتا ہے، اس پر آدھا عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ (یعنی پانچ فیصد) مقرر کیا گیا ہے، (زکوٰۃ: معنی و مفہوم، اہمیت، فضائل و مسائل، صفحہ نمبر 74, 75)۔

عشر کا تذکرہ نہ صرف احادیثِ کریمہ بلکہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَ اتُّوا حَقُّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ** یعنی کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو، (سورہ انعام، آیت: 141)۔ مفسرین کرام کے نزدیک ”حق“ ادا کرنے سے مراد ”عشر“ کا ادا کرنا ہے۔ عشر کے واجب ہونے کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ** ترجمہ: ”اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو، جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں، (سورہ بقرہ، آیت: 266)۔“

عشر کا تعلق چونکہ زمین کی پیداوار اور درختوں سے حاصل ہونے والے پھلوں

سے ہے لہذا زمینداروں، کسانوں اور باغبانوں کے لئے اس کے مسائل و احکام کا جاننا از روئے شرع انتہائی ضروری ہے کیونکہ ان سے غافل رہنے کی صورت میں وہ ایک اہم دینی فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہوں گے۔

زمین اگر بٹائی پر ہے، تو مالک (land lord) اور مزارع (farmer) دونوں پر اپنے اپنے حصے کا عشر واجب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیداوار میں سے پہلے عشر نکال لیا جائے اور پھر طے شدہ تناسب (ratio) کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیں۔ اگر زمین ٹھیکے پر دی ہے، تو یہ اجارہ ہے۔ زمین کے مالک پر اس کے دیگر اموال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ہے۔ اور جس نے ٹھیکے یا اجارے پر لی ہے، اس پر کل پیداوار کا عشر لازم ہے۔ اگر زمیندار نے عشر ادا کرنے کے بعد غلہ فروخت کر دیا اور مال اُس کے مال تجارت یا دیگر اموال کے ساتھ جمع ہو گیا، تو اُسے اُس کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی، (زکوٰۃ: معنی و مفہوم، اہمیت، فضائل و مسائل، صفحہ نمبر 74، 75)۔

عشر ادا کرنے لئے زکوٰۃ کی طرح کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، لہذا پیداوار کم ہو یا زیادہ، اس پر عشر واجب ہے۔ اسی طرح سال میں جتنی بھی فصلیں آئیں گی، ہر فصل پر عشر واجب ہے، زکوٰۃ کی طرح ایک مرتبہ نہیں ہے۔ عشر واجب ہونے کے لئے عقل اور بلوغت شرط نہیں ہے، بلکہ نابالغ اور مجنون کی زمین میں جو کچھ پیدا ہوگا اُس کا عشر ادا کرنا بھی واجب ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اگر کاشتکار کے پاس فصل کے علاوہ اگر قابل زکوٰۃ مال و اسباب ہیں، تو اُن کی زکوٰۃ الگ سے ادا کی جائے گی۔ عشر کا معاملہ زکوٰۃ سے جدا ہوگا۔ جن ضرورت مندوں اور مستحقین کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اُنہی لوگوں کو عشر بھی ادا کی جانی چاہئے یعنی زکوٰۃ کے مصارف اور عشر کے مصارف ایک ہیں۔ ہمارے ہاں حکومتی سطح پر عشر کی جو وصولی کی جاتی ہے، اس میں کئی قسم کی شرعی قباحتیں موجود ہیں، جنہیں دور کئے بغیر عشر کی

ادا کی درست نہیں ہوگی۔ لہذا عشر خود ہی سے ادا کرنا چاہیے تاکہ اصل مستحقین تک اُن کا حق پہنچ سکے۔

حدیث نمبر: 40

گداگری اور اسلامی تعلیمات

حدیث مبارک:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
لَا تَزَالُ الْمَسْئَلَةُ بِأَحَدِكُمْ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مِزْعَةٌ لَحْمٍ

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے والد (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص خود کو مانگنے کا عادی بنالے، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی کوئی بوٹی نہ ہوگی (یعنی اُس کا چہرہ بے نور ہوگا)۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب کراہۃ المسئلة للناس، رقم الحدیث: 2443)

تشریح:

زیر مطالعہ حدیث مبارک میں گداگری یعنی بھیک مانگنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی دوسری احادیث کریمہ بھی موجود ہیں، جن میں بلا ضرورت و مجبوری سوال کرنے سے سخت الفاظ کے ساتھ روکا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص بلا ضرورت مانگتا ہے، وہ گویا اپنے ہاتھ میں انکارے پختا ہے“۔ آید اور حدیث میں ہے کہ جس نے

لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کیا تا کہ وہ مالدار ہو جائے تو وہ اپنے چہرے کو قیامت تک کے لئے مجروح کر دیتا ہے اور جہنم کے گرم پتھر کھائے گا۔ اب جو شخص چاہے اپنے لئے یہ چیزیں زیادہ مقدار میں فراہم کرے یا کم مقدار میں، (ترمذی)۔ مزید یہ ہے کہ صدقہ کسی غنی کے لئے جائز نہیں ہے اور نہ کسی ایسے کے لئے جائز ہے جو توانا و تندرست ہو، (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من يعطی من الصدقة وحد الغنی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص رسی کپڑے اور اپنی پیٹھ پر لکڑی کا گٹھالا دکر لائے، اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے پاس آئے اور اس سے سوال کرے، وہ اسے دے یا نہ دے۔ ذکر کردہ احادیثِ کریمہ کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیک مانگنے کے عمل کو ناپسند فرمایا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے بھکاری کے چہرے سے رونق غائب ہو جاتی ہے اور انسانیت مجروح ہوتی ہے۔ لہذا بلا ضرورت لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے والوں کو خود اپنے انجامِ بد پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

البتہ انتہائی ضرورت اور مجبوری کے تحت دستِ سوال دراز کرنے کی شریعتِ مطہرہ نے حدود و قیود کے ساتھ اجازت بھی دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے کہ سوال کرنا خراش (نوچنے) کی مانند ہے، جو بھی سوال کرتا ہے، وہ (دراصل) اپنے چہرے کو نوچتا ہے۔ لہذا جو شخص چاہے اپنے چہرے کو اس حال میں رکھے اور چاہے ترک کر دے۔ البتہ ناگزیر صورتِ حال میں کسی صاحبِ اقتدار یا کسی اور سے سوال کرنا جائز ہے۔ اسی طرح سنن نسائی کی ایک طویل حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ دستِ سوال دراز کر سکتے ہیں۔ جن میں دو یہ ہیں: (1) ایک وہ شخص جس کا مال کسی مصیبت کی وجہ سے ہلاک ہو جائے، لہذا وہ سوال کر سکتا

ہے جب تک کہ اُسے گزر بسر کی چیزیں حاصل نہ ہو جائیں، (2) وہ شخص، جو فاقہ میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اس کے محلے کے تین افراد یہ کہہ دیں کہ وہ (واقعی میں) فاقہ زدہ ہے، تو وہ بھی اپنی گزر بسر کی حد تک سوال کر سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے علاوہ جو بھی سوال کرتا ہے، وہ حرام مال کھاتا ہے، (سنن نسائی)۔

کچھ عرصے پہلے تک کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا انتہائی معیوب عمل سمجھا جاتا تھا اور خال خال ہی لوگ بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے تھے۔ لیکن آج جب شاہراہوں، گلی کوچوں، فٹ پاتھوں، سگنلز اور چورنگیوں پر نظر ڈالی جائے، تو ہر جگہ بڑی تعداد میں بچے بچیاں، جوان مرد و عورت اور بوڑھے بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں، جو کسی مجبوری کے بغیر پیشے کے طور پر گداگری کر رہے ہیں۔ انہوں نے بھیک مانگنے کے نئے نئے طریقے ایجاد کر لیے ہیں، جن کے ذریعے وہ سادہ لوح لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے بڑی آسانی سے انہیں بیوقوف بنا لیتے ہیں۔ دراصل یہ تن آسانی اور مفت خوری کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس پیشے کو اپنانے میں انہیں کسی قسم کی شرمندگی نہیں ہوتی بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ وہ محنت و مشقت کرنے والوں سے بہتر کما رہے ہیں۔ ان جعلی اور تن آسان بھکاریوں کی وجہ سے حقیقی مستحق، سفید پوش اور ضرورت مند افراد امداد سے محروم رہ جاتے ہیں۔

آج گداگری ایک معاشرتی و سماجی ناسور کی صورت اختیار کر چکی ہے، جس کا سد باب انتہائی ضروری ہے۔ ایسے بہت سارے گروہ وجود میں آچکے ہیں، جو باقاعدہ ان بھکاریوں کو اپنے گروہ میں شامل کرتے ہیں۔ انہیں بھیک مانگنے کے لئے جگہ الاٹ کی جاتی ہے۔ جہاں ان کے علاوہ کوئی اور نہیں آ سکتا۔ ان میں اکثر جرائم پیشہ افراد شامل ہوتے ہیں یا بعد میں مجرم بن کر مختلف جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اخبارات میں اکثر یہ خبر پڑھنے کو ملتی

ہے کہ اس گھناؤنے پٹھے سے وابستہ خواتین گھروں میں بہانے سے داخل ہو کر پوری معلومات جمع کر لیتی ہیں اور پھر ڈاکوؤں کو فراہم کر دیتی ہیں۔ آئے روز سڑکوں پر ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں، جب کسی راہ گیر کو اکیلے پا کر اُسے لوٹ لیا جاتا ہے۔ الغرض گداگری کی وجہ سے جرائم کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ واضح رہے کہ گداگری پر قانونی طور پر پابندی کے باوجود اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی جملہ وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس گھناؤنے فعل کو باقاعدہ قانون کے ذمہ داروں کی معاونت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ختم کرنے کے لئے کوئی بھی اقدام کامیاب نہیں ہوتا۔

گداگروں کا ایک گروہ وہ بھی ہے، جو ہیروئن، چرس، شراب اور دیگر منشیات کے عادی افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ نشے کی عادت کی وجہ سے کام کاج اور محنت کے قابل نہیں ہوتے اور انہیں اپنا نشہ مٹانے کے لئے پیسوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے، لہذا یہ لوگ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھیک مانگنے کا سہارا لیتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد اکثر بسوں پر، شہر کی مختلف شاہراہوں اور مارکیٹوں میں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور اپنے چال ڈھال سے فوراً پہچان لئے جاتے ہیں۔ ان منشیات کے عادی بھکاریوں کی وجہ سے ہماری نوجوان نسل کے اخلاق و کردار پر بہت زیادہ منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ علاوہ ازیں گداگری ملک کی بدنامی اور رسوائی کا بھی باعث ہے۔

گداگری کے اس ناسور کو معاشرے سے ختم کرنے کے لئے ارباب اختیار پر لازم ہے کہ وہ اس حوالے سے انتہائی اقدامات اٹھائیں۔ جو لوگ اس قبیح فعل میں اضافہ کا باعث بن رہے ہیں، انہیں بھی قرار واقعی سزا دی جائے۔ قانون شکنی کسی بھی صورت میں برداشت نہ کی جائے۔ جو لوگ واقعی کسی مجبوری کے تحت اس ناپسندیدہ عمل میں مبتلا ہیں، ان

کی مجبوریوں کو ختم کیا جائے۔ اُن کے لئے روزگار کے بہتر مواقع پیدا کئے جائیں۔ روز افزوں بڑھتی ہوئی مہنگائی پر قابو پایا جائے۔ اسی طرح جن لوگوں نے گداگری کو بطور پیشہ اختیار کیا ہوا ہے، اُن سے سختی سے نمٹا جائے، اُن کی اخلاقی اور نفسیاتی تربیت کے لئے ادارے قائم کئے جائیں، جہاں انہیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تربیت دے کر معاشرے کا فعال کارکن بنایا جائے۔ ان امور خیر میں زندگی کے تمام شعبہ ہائے سے تعلق رکھنے والے افراد بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تو پھر جلد بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

عام لوگوں کو چاہئے کہ اپنی زکوٰۃ و خیرات اور دیگر عطیات ان گداگروں کو دینے کے بجائے انہیں اپنے عزیز واقارب اور حقیقی ضرورت مندوں کو دیں۔ اس سے نہ صرف گداگروں کی حوصلہ شکنی ہوگی بلکہ زکوٰۃ و خیرات حقیقی مستحقین تک پہنچے گی۔ شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ حقیقی مستحقین کو ڈھونڈ کر انہیں اُن کا حق پہنچایا جائے۔ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اپنی زکوٰۃ بغیر تحقیق کسی ایسے شخص کو دی، جو اس کا مستحق نہیں ہے تو اُس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے عزیز واقارب کو زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں کرتا جس کے رشتہ دار اس کے (حسن) سلوک کے محتاج ہوں اور وہ انہیں چھوڑ کر دوسروں کو صدقہ دے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُس پر (کرم کی) نظر نہ فرمائے گا۔ اور یہ فرمایا ہے کہ عزیز واقارب کو دینے سے دینے والے کو ڈونا (double) ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینے سے ایک ثواب ہے اور رشتہ دار کو دینے سے دو ثواب ہے ایک صدقہ دینے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ لہذا وہ رشتہ دار جنہیں صدقات واجبہ و

تعلیم دی ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں کرتا جس کے رشتہ دار اس کے (حسن) سلوک کے محتاج ہوں اور وہ انہیں چھوڑ کر دوسروں کو صدقہ دے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُس پر (کرم کی) نظر نہ فرمائے گا۔ اور یہ فرمایا ہے کہ عزیز و اقارب کو دینے سے دینے والے کو ڈونا (double) ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینے سے ایک ثواب ہے اور رشتہ دار کو دینے سے دو ثواب ہے ایک صدقہ دینے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ لہذا وہ رشتہ دار جنہیں صدقات واجبہ و زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے، اگر وہ واقعی مستحق ہوں تو پہلے انہیں دی جائے بعد میں دوسروں کو۔ اس طرز عمل سے گداگری کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے۔

قارئین کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے ذیل میں اختصار کے ساتھ ان لوگوں کو تحریر کیا جا رہا ہے، جنہیں زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ نہیں دیئے جاسکتے ہیں۔

(1) اپنی اصل یعنی والدین، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ۔

(2) اولاد یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ نواسی وغیرہ۔

(3) بیوی اپنے شوہر کو اور شوہر اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

(4) سید اور بنو ہاشم

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

مصنف کی دیگر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب و رسائل

انوار اعتکاف

مطبوعہ المنیب شریعہ اکیڈمی



اصطلاحات اسلامی معیشت و وراثت، صفحات: ۱۵۰ تقریباً

مطبوعہ شیخ زید اسلامک سنٹر، کراچی یونیورسٹی



سرمایہ کاری کے شرعی احکام صفحات: ۳۵۰

شیخ زید اسلامک سنٹر، کراچی یونیورسٹی کے فقہ المعاملات کے نصاب کے مطابق



سعودی عرب کے ساتھ عید کیوں نہیں۔

مطبوعہ المنیب شریعہ اکیڈمی و مکتبہ غوثیہ



طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح: اسباب و محرکات اور تدارک

مطبوعہ المنیب شریعہ اکیڈمی



عیدِ میلادِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم اور چند اصلاح طلب پہلو

مطبوعہ المینب شریعہ اکیڈمی



انوارِ قربانی

مطبوعہ انوار الشریعہ فاؤنڈیشن



اسلامی بنکاری نظام میں تعزیر بالمال یا خیرات کا نظریہ، صفحات: ۸۰ (زیر طبع)



شریعت کے ماخذ (زیر طبع)



اسلام اور عالمی ایام (زیر طبع)



مرؤجہ تکافل کا تعارف (زیر طبع)

رہنما اقوال

حرام اشیاء سے بچتے رہو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے عبادت گزار شمار ہو گے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رزق کا جو حصہ مقدر فرمایا ہے، اس پر راضی رہو لوگوں میں (حقیقی طور پر) غنی بن جاؤ گے، (جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ہمارے بازاروں میں وہی خرید و فروخت کرے، جسے دین (تجارتی احکام) کی سمجھ ہو، (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

کسی عاقل و بالغ شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سیکھے بغیر معاملہ کرنا جائز نہیں، (حضرت امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ)۔

میرے نزدیک اُس شخص کے لئے لین دین کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، جو (اپنی جہالت کی وجہ سے) حرام کو حلال کرے یا حلال و حرام میں تمیز ہی نہ کر سکے، چاہے وہ

مسلمان ہی کیوں نہ ہو، (امام مالک بن انس علیہ الرحمہ)